ملک صفدر حیات (سیریز نمبر 18)
غلط فہمی
(تحریر حسام بٹ)
حمی قریشی - یاسر حسین
سسپنس ڈائجسٹ : جون 2015

غلط فہم

ملک صفدر حیات

اللہ کی بے شمار کرم نوازیوں میں سے ایک بہترین تحفہ فہم و فراست بھی ہے۔ جسے یہ دولت مل جائے اسے مصائب و آلام کا سامنا کرنے اور ان کی گرفت سے نکلنے کا ہنر آتا ہے مگر... ان سے عاری لوگ ایسے ایسے تماشے کرتے ہیں کہ آخر میں اپنی زندگی سے بھی کھیل جاتے ہیں... وہ لوگ بھی ایک ایسے ہی کھیل کا کردار بن گئے تھے جس کا کوئی سرا ان کے ہاتھ نہیں لگ رہا تھا لیکن... قانون کے ہاتھ اگر چاہیں تو بڑی سے بڑی گتھی سلجھا سکتے ہیں اور... ملک صاحب نے بھی یہ الجھی ریشم بالآخر سلجھا ہی لی۔

چاول کی فصل تیار کھڑی تھی۔ بعض علاقوں میں اس کی کٹائی کا کام بھی شروع ہو چکا تھا۔ وہ ماہ اکتوبر کا وسط تھا۔ گلابی جاڑے کی بھی آمد تھی۔ دن میں دھوپ بڑی خوش گوار محسوس ہوتی تھی اور رات کو ہلکی پھلکی چادریں اوڑھنا پڑتی تھیں۔ لوگوں نے موسم سرما کے "استقبال" کے لیے لحافوں، گدوں اور دیگر گرم کپڑوں کو دھوپ لگانا شروع کر دی تھی۔ دن میں صحنوں اور مکانوں کی چھتوں پر بچھی چارپائیوں پر گرم ملبوسات، اوڑھنے اور بچھونے پھیلے دکھائی دیتے تھے۔

ہر موسم کے استقبال کا اپنا ایک الگ ہی رنگ ہوتا ہے۔

ایسی ہی ایک خنک صبح کو میں تیار ہو کر تھانے پہنچا تو مجھے پتا چلا، دو بندے کافی دیر سے میرے انتظار میں بیٹھے ہیں۔ سرد موسم میں، میں عموماً نو بجے تک اپنی سیٹ پر پہنچ جایا کرتا تھا۔ "کافی دیر سے انتظار میں بیٹھنے" نے مجھے بری طرح چونکا دیا۔

"وہ کون لوگ ہیں؟" میں نے اطلاع دینے والے کانسٹیبل سے پوچھا۔ "اور وہ کب تھانے آئے تھے؟"

"ملک صاحب! وہ دونوں میاں بیوی ہیں۔" کانسٹیبل وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "انہیں یہاں پہنچے آدھا گھنٹا ہو گیا ہے۔"

"اور تمہاری نظر میں آدھا گھنٹا بہت زیادہ دیر ہے۔" میں نے گھور کر اسے دیکھا اور پوچھا۔ "وہ کہاں سے آئے ہیں؟"

"جی ..... پپلی والا سے۔" کانسٹیبل خوشی محمد نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے، انہیں فوراً میرے پاس بھیجو۔" میں نے تحکمانہ انداز میں کہا۔

خوشی محمد نے مجھے سیلوٹ کیا اور یہ کہتے ہوئے کمرے سے نکل گیا۔ "او کے ملک صاحب۔"

ان دنوں میں تھانہ صدر میں تعینات تھا۔ "پپلی والا" نامی چھوٹا سا گاؤں میرے تھانے کی حدود میں آتا تھا تاہم

یہ تھانے سے خاصے فاصلے پر، نہر کی دوسری جانب واقع تھا۔ اگر وہ لوگ ساڑھے آٹھ بجے تھانے پہنچے تھے تو اس کا واضح مطلب یہی تھا کہ وہ ساڑھے سات بجے گھر سے نکلے ہوں گے۔ اتنی صبح گھر سے تھانے آنا یہی ظاہر کرتا تھا کہ ادھر پپلی والا میں کوئی بڑی گڑبڑ ہوگئی تھی۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد دونوں مذکورہ افراد میرے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ عورت کی عمر پینتیس کے اریب قریب تھی اور مرد چالیس کے پیٹے میں نظر آتا تھا۔ وہ سیدھا سادہ ایک دیہاتی جوڑا تھا۔

''ہاں بھئی! آپ لوگ پپلی والا سے اتنی صبح صبح ...''
میں نے باری باری دونوں کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ''خیریت تو ہے نا؟''

''خیریت نہیں ہے تھانے دار صاحب۔'' مرد نے پریشانی بھرے لہجے میں کہا پھر اپنا تعارف کراتے ہوئے بولا۔ ''میرا نام منظور ہے، اور یہ میری گھر والی حمیدہ ہے اور ہم پپلی والا سے نہیں بلکہ 'ہندو چک' سے آئے ہیں۔''

''پھر تھانے میں پپلی والا کیوں بتایا؟'' میں نے پوچھا۔

''بات دراصل یہ ہے جناب......'' حمیدہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ ''ہم جس مسئلے کے لیے آپ کے پاس آئے ہیں اس کا تعلق پپلی والا سے ہے۔''

''اوہ......'' میں نے ایک گہری سانس خارج کی۔ ''اب جلدی سے یہ بھی بتاؤ کہ ایسا کون سا سنگین مسئلہ ہے جس نے آپ لوگوں کو صبح ہی صبح گھر سے نکلنے پر مجبور کردیا ہے؟''

''جناب! مسئلہ مشتاق کا ہے۔'' منظور بتانے لگا۔ ''وہ میرا سالا اور حمیدہ کا اکلوتا بھائی ہے۔ وہ دو تین دن سے غائب ہوگیا ہے۔''

''غائب ہوگیا ہے۔'' میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ ''کیا مطلب......؟''

''تھانے دار صاحب! وہ دو دن پہلے تک تو پپلی والا میں موجود تھا۔'' حمیدہ نے میرے سوال کے جواب میں بتایا۔ ''کچھ پتا نہیں چل رہا، وہ کہاں گم ہوگیا ہے۔''

''مشتاق کی عمر کیا ہوگی؟'' میں نے ایک اہم سوال کیا۔

''یہی کوئی ستائیس اٹھائیس سال۔'' اس نے بتایا۔

''ماشاء اللہ! شادی شدہ ہے۔''

''شادی شدہ ہے۔'' میں نے زیرِلب دہرایا پھر پوچھا۔ ''اس کی بیوی کہاں ہے؟''

''وہ ادھر پپلی والا میں اپنے گھر میں ہے جی۔'' حمیدہ نے بتایا۔

''اس کی بیوی اس بارے میں کیا کہتی ہے؟''

''زرینہ مکمل طور پر اپنی لاعلمی کا اظہار کررہی ہے۔'' منظور نے جواب دیا۔ ''ہم نے مشتاق کے بارے میں سب سے پہلے اسی سے پوچھ گچھ کی تھی لیکن اسے تو کچھ پتا ہی نہیں۔ اس کے مطابق دو روز پہلے مشتاق حسبِ معمول اپنی دکان پر گیا مگر شام میں واپس نہیں آیا۔ وہ خود بہت پریشان بیٹھی ہے جناب......''

پپلی والا اور ہندو چک ایک دوسرے سے لگے ہوئے گاؤں تھے۔ دونوں کے بیچ میں چند کھیت تھے اور بس۔ یہ گاؤں کچا ایمن آباد روڈ پر واقع تھے۔ میرے پلّے ابھی تک کچھ نہیں پڑا تھا لہٰذا مزید سوالات کا سہارا لینا پڑا۔

''مشتاق کس چیز کی دکان کرتا تھا؟''

''پرچون کی جناب۔'' حمیدہ نے بتایا۔ ''اس کی دکان پپلی والا ہی میں ہے۔ میں کل اپنے بھائی سے ملنے جب اس کے گھر پہنچی تو زرینہ نے مجھے بتایا کہ مشتاق اچانک کہیں غائب ہوگیا ہے۔''

''پھر......'' میں نے باری باری ان کے چہروں کے تاثرات کا جائزہ لیتے ہوئے استفسار کیا۔ ''تم لوگوں نے اپنے طور پر مشتاق کو ڈھونڈنے کی کوشش نہیں کی؟''

''جناب! جہاں تک ہماری پہنچ تھی، ہم نے اسے ہر جگہ تلاش کرلیا ہے۔'' حمیدہ ایک افسردہ سانس خارج کرتے ہوئے بولی۔ ''لیکن وہ ہمیں کہیں نہیں ملا۔ رات کو منظور نے مجھ سے کہا کہ ہمیں تھانے جا کر مشتاق کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرا دینا چاہیے اور ہم صبح ہی صبح آپ کے پاس پہنچ گئے ہیں۔''

''مشتاق کی پرچون کی دکان گھر ہی میں تھی یا گھر سے کچھ دور؟'' ایک فوری خیال کے تحت میں نے پوچھ لیا۔

''دکان گھر سے تھوڑے فاصلے پر ہے تھانے دار صاحب۔'' منظور وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''وہ حسبِ معمول گھر سے دکان کی طرف ہی گیا تھا لیکن رات کو گھر نہیں پہنچا۔''

''اس کی دکان کی کیا پوزیشن ہے؟'' میں نے پوچھا۔ ''جب رات کو مشتاق گھر نہیں آیا تو کیا اس کی بیوی نے دکان پر جا کر دیکھا تھا؟''

''جی ہاں، دیکھا تھا۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ ''دکان تو بند پڑی تھی۔ جب ادھر ادھر کے لوگوں سے پوچھا گیا تو پتا چلا کہ مشتاق نے صبح سے دکان کھولی ہی نہیں۔''

''ہوں.....'' میں نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ وقوعہ کے روز گھر سے نکلا اور دکان کا رخ کیے بغیر ہی وہ کہیں اور نکل گیا یا پھر.....'' میں نے سنسنی خیز انداز میں توقف کیا پھر سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''یا پھر کسی نے اسے غائب کر دیا.....''

''غائب کر دیا، کیا مطلب جی؟'' منظور نے چونک کر میری جانب دیکھا۔

''مطلب صاف ظاہر ہے.....'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''اگر وہ اپنی مرضی سے کہیں نہیں گیا تو پھر کسی نے اسے غائب کر دیا ہوگا۔ اب آپ لوگ مجھے بتاؤ گے کہ اس کی کسی کے ساتھ دشمنی وغیرہ تو نہیں تھی؟''

''نہ جی..... بالکل نہیں۔'' حمیدہ جلدی سے بولی۔ ''مشتاق تو بڑا ہی بھلے مانس اور اپنے کام سے کام رکھنے والا انسان ہے جناب۔''

''حمیدہ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے تھانے وار صاحب۔'' منظور اپنی بیوی کی تائید کرتے ہوئے بولا۔ ''مشتاق بہت ہی سیدھا سادہ بندہ ہے جناب۔ آج تک اس کا کسی سے لڑائی جھگڑا نہیں ہوا۔ میں تو اکثر اسے ''اللہ میاں کی گائے'' کہا کرتا تھا۔''

''تو پھر یہ فرض کر لیتے ہیں کہ وہ گھر سے دکان جانے کے لیے نکلا اور راستے میں کسی ہوائی یا ناری مخلوق نے اسے اغوا کر لیا۔'' میں نے نیم طنزیہ لہجے میں کہا۔

''کیا واقعی تھانے دار صاحب.....؟'' حمیدہ آنکھیں پھیلاتے ہوئے بولی۔

''تو پھر اور کیا وجہ ہو سکتی ہے مشتاق کی گمشدگی کی۔'' میں نے باری باری ان میاں بیوی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''وہ اپنی مرضی سے کہیں نہیں گیا۔ اس کا کوئی ایسا دشمن نہیں جو اسے غائب کر دے۔ اسے نہ تو زمین نے نگلا اور نہ ہی آسمان نے کھانے کی کوشش کی۔ اب آ جا کر وہ سبب باقی رہ جاتا ہے جس کا میں نے آپ لوگوں سے ذکر کیا ہے۔''

''جناب.....!'' حمیدہ سرسراتی ہوئی آواز میں بولی۔ ''میرا دھیان ایک خاص طرف جا رہا ہے۔''

''کون سی خاص طرف؟'' میں نے پوچھا۔

''یہ ہو سکتا ہے کہ مشتاق اپنی مرضی سے کہیں نکل گیا ہو۔''

''تمہارے اس اندازے کا سبب کیا ہے؟''

''وہ کیا ہے نا جی.....'' حمیدہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ ''مشتاق کی اپنی بیوی زرینہ سے زیادہ نہیں بنتی۔ ان میں اکثر لڑائی جھگڑا ہوتا رہتا ہے۔ ان کی شادی کو پانچ سال ہو گئے ہیں مگر ابھی تک ان کے دل اور ذہن آپس میں مل نہیں سکے.....'' لمحاتی توقف کر کے اس نے ایک گہری سانس لی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولی۔

''میں یہ سوچ رہی ہوں کہ کہیں میاں بیوی میں کوئی شدید جھڑپ نہ ہو گئی ہو اور مشتاق، زرینہ سے ناراض ہو کر کہیں نکل گیا ہو۔''

''ان لوگوں کے بچے کتنے ہیں؟'' میں نے سوال کیا۔

''کوئی نہیں جی۔'' حمیدہ کی مایوسی میں ڈوبی ہوئی آواز ابھری۔

''پانچ سال شادی کو ہو گئے۔ ابھی تک کوئی اولاد نہیں۔ میاں بیوی میں لڑائی جھگڑا بھی چلتا رہتا ہے۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا پھر حمیدہ سے پوچھا۔ ''کیا تم نے اپنی بھابی سے اس بارے میں پوچھا تھا؟''

''کس بارے میں جی؟'' وہ الجھن زدہ نظر سے مجھے تکنے لگی۔

''یہی کہ جس صبح مشتاق غائب ہوا تھا، اس سے پچھلی رات ان دونوں میں کوئی سنگین جھگڑا تو نہیں ہوا تھا؟'' میں نے اپنی بات کی وضاحت کر دی۔

''نہیں جی، میں نے زرینہ سے ایسا کوئی سوال نہیں کیا۔''

''ٹھیک ہے تم نے نہیں کیا تو میں کروں گا۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا پھر باری باری دونوں میاں بیوی کے چہروں کا جائزہ لیتے ہوئے اضافہ کیا۔

''اس کے علاوہ تم لوگوں کو کوئی اور خاص بات پتا ہو تو مجھے بتاؤ.....؟''

ان کی معلومات کے خزانے خالی ہو چکے تھے لہٰذا وہ بے بسی سے ایک دوسرے کو دیکھ کر نفی میں گردن ہلا کر رہ گئے۔

حاصل شدہ معلومات کے مطابق مشتاق دس اکتوبر کی صبح گھر سے دکان جانے کے لیے نکلا تھا اور اس کے بعد کسی نے اسے کہیں نہیں دیکھا تھا۔ آج تیرہ اکتوبر کی تاریخ تھی۔ بادی النظر میں یہ کوئی سنسنی خیز اور ایمرجنسی کیس دکھائی نہیں دیتا تھا۔ میرا ذاتی خیال بھی یہی تھا کہ اس کی اپنی بیوی سے زبردست قسم کی منہ ماری ہو گئی ہوگی اور وہ ''اللہ میاں کی گائے'' جدھر منہ اٹھا، ادھر ہی نکل گیا ہوگا۔

''ٹھیک ہے۔'' میں نے ان میاں بیوی کی طرف دیکھتے ہوئے تسلی بھرے لہجے میں کہا۔ ''تم لوگ واپس پپلی والا جاؤ اور ادھر مشتاق کے گھر ہی میں رکو۔ میں تھوڑی دیر کے بعد وہاں پہنچ رہا ہوں۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ مشتاق مل جائے گا۔''

وہ میرا شکریہ ادا کر کے تھانے سے رخصت ہو گئے۔

میں نے منظور اور اس کی بیوی کو تھوڑی دیر بعد آنے کا کہہ کر تھانے سے روانہ کر دیا تھا لیکن یہ تھوڑی دیر سہ پہر میں کہیں جا کر ہوئی۔

ہوا کچھ یوں تھا کہ ان کے جاتے ہی ایک سنسنی خیز کیس آ گیا تھا۔ دو گروپوں میں زبردست مار ماری ہو گئی تھی۔ میرے تھانے کے نزدیک ہی ویگنوں کا ایک اڈا تھا۔ وہاں سے چلنے والی ویگنیں دو گروپس کی تھیں جو سیاسی طور پر ایک دوسرے کے حریف بھی تھے۔ پہلے ویگن بھرنے کی بحث و تکرار میں کچھ زیادہ ہی گرما گرمی ہو گئی جس کے نتیجے میں آٹھ دس زخمی افراد کو تھانے لایا گیا تھا۔ کچھ ہی دیر کے بعد ان کے سرپرست بھی تھانے پہنچ گئے اور طویل کچہری شروع ہو گئی۔

دونوں پارٹیوں کا مؤقف یہی تھا کہ وہ حق پر ہیں اور دوسرے نے ان کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ میں نے دونوں پارٹیوں کو فرداً فرداً سنا۔ ان کے بہت زیادہ جوشیلے اور مار ماری کرنے والے بندوں کو حوالات میں بند کیا۔ شدید زخمی افراد کو اسپتال بھجوایا اور باقی کو یہ کہہ کر جانے کی اجازت دے دی کہ اب اس مسئلے کو کل دیکھیں گے۔ میں دراصل حوالاتیوں سے تفتیش کرنا چاہتا تھا تاکہ پتا چلتا کہ وہ کتنے پانی میں ہیں۔ اس سے ان کے سرپرستوں کو بھی نصیحت ہو جاتی کہ وہ چاہے کتنی بھی اونچی اونچی باتیں کرنے والے کیوں نہ ہوں، میں ان کے بندوں کو قانونی تقاضے پورے کرنے کے لیے تھانے میں بند کر سکتا ہوں۔

میرا تھانہ مین روڈ پر تھا۔ میں نے کانسٹیبل عمران علی کو ساتھ لیا اور ایک تانگے میں بیٹھ کر پپلی والا کی جانب روانہ ہو گیا۔ مین روڈ پر تھانے سے تھوڑا جنوب کی سمت فاصلہ طے کریں تو وہاں سے بائیں جانب ایک کچا راستہ نکلتا تھا جو کچا ایمن آباد روڈ کہلاتا تھا جو سیدھا ایمن آباد تک جاتا تھا۔ ویسے مین روڈ سے بھی ایمن آباد جایا جا سکتا تھا۔ مین روڈ بعد میں بنا تھا جبکہ کچا ایمن آباد روڈ قیام پاکستان سے بہت پہلے سے موجود تھا۔ اس زمانے میں لوگ گھوڑوں پر سوار ہو کر اس راستے پر سفر کیا کرتے تھے۔

ہمارا تانگا مین روڈ سے کچے راستے پر آیا۔ پھر ریلوے لائن کراس کر کے کنہیا لال باغ کے اندر سے گزرتے ہوئے وہ پپلی والا کی جانب بڑھنے لگا۔ راستے کے دونوں طرف کھیتوں میں چاول کی فصل دکھائی دیتی تھی۔ امرودوں کے باغ کے پاس سے گزر کر ہم نہر پر پہنچ گئے۔ یہ نہر ''اپر چناب'' کے نام سے مشہور ہے۔ نہر کی دوسری جانب موضع پپلی والا آباد تھا۔ ہم سہ پہر کے وقت پپلی والا میں تھے۔ مشتاق پرچون فروش کا گھر تلاش کرنے میں ہمیں کسی دقت کا سامنا نہیں ہوا تھا۔

گاؤں بڑا ہو یا چھوٹا، پولیس کی آمد سے کھلبلی سی مچ جاتی ہے۔ یہی حال اس وقت پپلی والا کا بھی تھا۔ میری ہدایت کے مطابق حمیدہ اور منظور مشتاق کے گھر کے اندر موجود تھے۔ ان کے علاوہ بھی وہاں بہت سے لوگ بھرے ہوئے تھے جو خیر خبر لینے آئے تھے۔ اب یہ بات چھپی نہیں رہی تھی کہ مشتاق پچھلے تین دن سے غائب تھا اور یہ بھی کہ اس کی گمشدگی کی رپورٹ تھانے میں درج کرائی جا چکی ہے۔

میں نے وہاں پہنچتے ہی تمام غیر متعلقہ افراد کو گھر سے باہر نکال دیا۔ اب صرف تین افراد باقی رہ گئے تھے یعنی منظور، اس کی بیوی حمیدہ اور زرینہ۔ میں نے زرینہ کی طرف رخ کرنے سے پہلے منظور سے پوچھا۔

''کیوں بھئی...... کوئی نئی بات سامنے آئی؟''

''نہیں جی، کچھ بھی نہیں۔'' وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''سب جوں کا توں ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ مشتاق گیا تو گیا کہاں......''

میں نے بغور زرینہ کا جائزہ لیا۔ وہ ایک نہایت ہی حسین و جمیل اور شاداب عورت تھی۔ اس کی دلکشی اور جاذبیت میں کوئی کلام نہیں تھا۔ ایسی خوب صورت عورتیں بہت کم میری نگاہ سے گزری تھیں۔ زرینہ کی عمر پچیس سال کے قریب رہی ہوگی۔ اس کی آنکھوں اور چہرے کے تاثرات کو دیکھ کر یہ محسوس نہیں ہوتا تھا کہ اسے اپنے شوہر کی گمشدگی کا کچھ زیادہ غم ہو۔ یہ بات ذہن میں چبھنے والی تھی۔ بہرحال، کسی کے دل کا حال جاننا تو ممکن نہیں۔ اس کا انٹرویو کرنے کے بعد ہی پتا چل سکتا تھا کہ وہ کس کیفیت میں ہے۔

میں نے منظور اور اس کی بیوی حمیدہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں زرینہ سے تنہائی میں چند باتیں کرنا چاہتا ہوں۔''

''جی...... ضرور۔'' منظور نے جلدی سے کہا۔ ''ہم

ادھر کمرے میں چلے جاتے ہیں۔''

اس وقت ہم گھر کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میرے اثبات میں گردن ہلانے کے بعد منظور اور اس کی بیوی گھر کے اندرونی کمرے کی سمت بڑھ گئے۔

وہ دو کمروں اور وسیع صحن پر مشتمل ایک درمیانے درجے کا گھر تھا۔ صحن میں امرود اور انار کے پیڑ لگے ہوئے تھے۔ میں جن لمحات میں گھر۔۔۔۔۔۔ کا جائزہ لے رہا تھا اس دوران میں زرینہ گاہے بہ گاہے چور نظر سے مجھے دیکھے چلی جارہی تھی۔ اس کی اس اضطراری حرکت نے مجھے چونکنے پر مجبور کردیا اور میں براہِ راست اس کی جانب متوجہ ہوگیا۔

''ہوں......'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''زرینہ! میری دلی ہمدردی تمہارے ساتھ ہے اور میں یہی کوشش کروں گا کہ جلد از جلد تمہارے شوہر کو ڈھونڈ نکالوں لیکن......''

میں نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑا تو وہ الجھن زدہ نظر سے مجھے تکنے لگی پھر اس کے ہونٹ تھرتھرائے۔ ''لیکن کیا جی......؟''

''لیکن یہ کہ...... اس کے لیے تمہیں مجھ سے بھرپور تعاون کرنا پڑے گا۔''

''جی۔ میں تعاون کروں گی۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔

''تمہیں کچھ اندازہ ہے کہ مشتاق کہاں گیا ہوگا؟'' میں نے سوالات کا سلسلہ شروع کردیا۔

''نہیں جی۔ مجھے کچھ اندازہ نہیں۔'' وہ دوٹوک انداز میں بولی۔

''کیا وہ اس سے پہلے بھی یوں چپ چاپ غائب ہوتا رہا ہے؟''

''نہیں جناب۔''

''اس کے یار بیلی یا دوسرے رشتے دار کہاں کہاں رہتے ہیں؟''

''اس کی صرف ایک ہی بہن ہے، حمیدہ۔'' اس نے جواب دیا۔ ''اور کوئی عزیز رشتے دار نہیں ہے اور جہاں تک یار، دوستوں کا تعلق ہے تو یہ کام اس نے کبھی کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی تھی۔''

''کون سا کام؟'' میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''دوست بنانے کا کام جی۔''

''اور دشمن بنانے کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟''

''یہ کام اس کے بس کا نہیں تھا۔'' وہ نیم طنزیہ انداز میں بولی۔ ''دشمنیاں پالنے کے لیے بڑے دل گردے اور جگر کی ضرورت ہوتی ہے تھانے دار صاحب۔''

''یہ تو تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو زرینہ۔'' میں نے تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا پھر پوچھا۔ ''تو تمہارے خیال میں مشتاق کے اندر دل گردہ نہیں تھا؟''

''میں نے ہمت اور جرأت کی بات کی تھی۔'' وہ جلدی سے وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ ''مشتاق انتہائی بزدل اور کم ہمت آدمی ہے۔''

میں نے ظاہر ہے، مشتاق کو دیکھا نہیں تھا لیکن اس کی بہن حمیدہ کو دیکھ کر یہ اندازہ ضرور قائم کرسکتا تھا کہ وہ کس وضع قطع اور حلیے کا ہوگا۔ حمیدہ گندمی رنگت کی مالک ایک کم رو دیہاتن تھی۔ میں نے زرینہ کی متوقع دکھتی رگ پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔

''زرینہ...... جبکہ مشتاق کے مقابلے میں تم خاصی بہادر اور جرأت والی ہو۔''

''جی، یہ بات تو ہے۔'' وہ خوش ہوتے ہوئے بولی۔

جن عورتوں کے شوہر اچانک گم ہوجاتے ہیں ان کے چہرے کے تاثرات اور دلی کیفیات میں ایک خاص نوعیت کا حزن و ملال پایا جاتا ہے لیکن یہ بات زرینہ کی کسی ادا سے جھلکتی نظر نہیں آئی تھی اور یہی نکتہ مجھے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کرتا تھا۔ یا تو وہ شوہر کی گمشدگی کو کوئی اہمیت نہیں دے رہی تھی اور یا پھر وہ اس سے شدید نفرت کرتی تھی۔

''مجھے پتا چلا ہے، تمہاری شادی زبردستی مشتاق سے کردی گئی تھی؟'' میں نے اسے ایک اور پہلو سے ٹٹولنے کی کوشش کی۔

''آپ کو بالکل ٹھیک پتا چلا ہے۔'' وہ بیزاری سے بولی۔ ''اماں کو مرنے کی جلدی تھی اور ان کی یہ ضد بھی تھی کہ مرنے سے پہلے مجھے ڈولی میں بیٹھا ہوا بھی دیکھیں گی۔ بس......'' یہاں تک پہنچنے کے بعد اس نے ایک افسردہ سی سانس خارج کی اور بات مکمل کرتے ہوئے بولی۔

''اس طرح مشتاق سے میری شادی ہوگئی۔ پانچ سال سے اس شخص کو بھگت رہی ہوں۔''

''میرے علم میں یہ بات بھی آئی ہے کہ آپ دونوں کا اکثر لڑائی جھگڑا بھی ہوتا رہتا تھا؟'' میں نے زرینہ کو گھیرنے کا عمل جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''جی ہاں۔ اب تو میں اس کی عادی ہوچکی تھی۔'' وہ تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔

"زیادہ تر کس بات پر جھگڑا ہوا کرتا تھا؟"

"اس کی حماقتوں پر۔" وہ زہریلے لہجے میں بولی۔

"اگر وہ سارا دن پرچون کی دکان میں بیٹھ کر میرے لیے اور اپنے لیے روزی روٹی کماتا تھا تو اس میں احسان والی کون سی بات تھی۔ یہ تو اس کا فرض تھا۔ میں بھی تو دن بھر گھر کے ہزاروں کام کرتی تھی۔ رات کو گھر آ کر وہ کبھی ٹانگیں دبانے کا مطالبہ کرتا اور کبھی پاؤں دبانے یا پھر فرمائش کرتا کہ میں اس کے سر میں تیل کی مالش کروں۔ اس کو تو شکر کرنا چاہیے تھا کہ مجھ جیسی خوب صورت بیوی اس کے حصے میں آ گئی ورنہ کوئی بھنگن بھی اس سے شادی کے لیے تیار نہ ہوتی۔"

"ہوں......" میں نے گہری نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

اب یہ بات کچھ کچھ میری سمجھ میں آنے لگی تھی کہ زرینہ کو اپنے شوہر کی گمشدگی کا زیادہ دکھ کیوں نہیں تھا۔ ان میاں بیوی کے بیچ کسی قسم کی کوئی انڈراسٹینڈنگ تھی ہی نہیں۔ بس وہ گزارہ کر رہے تھے۔ ایک بات یہ بھی کھل کر سامنے آ گئی کہ مشتاق شکل و صورت کے لحاظ سے بس ایویں سا ہی رہا ہوگا جبکہ زرینہ میرے سامنے تھی۔ اس کے حسن کی میں تعریف کر چکا ہوں۔

"کیا اس رات بھی تمہارے درمیان کسی قسم کا جھگڑا ہوا تھا جس کی اگلی صبح مشتاق چپ چاپ غائب ہو گیا؟" میں نے ٹٹولنے والے انداز میں کہا۔

"جی جھگڑا تو روز ہی ہوتا تھا۔" وہ اکتاہٹ آمیز انداز میں بولی۔ "کسی ایک رات کا یہ معاملہ نہیں۔"

"میں یہ بات اس حوالے سے پوچھ رہا ہوں کہ کہیں وہ تمہاری کسی سخت بات پر ناراض ہو کر تو نہیں چلا گیا؟"

"وہ مجھ سے لڑائی جھگڑا ضرور کرتا تھا لیکن وہ مجھ سے ناراض ہونے یا چھوڑ کر چلے جانے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔" وہ بڑے فخر سے بولی۔ "اس بات کا اسے بھی اچھی طرح احساس ہے کہ مجھ جیسی حسین بیوی اسے مل نہیں سکتی۔"

زرینہ کے فخر کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا تھا۔ میں نے اسے دیگر مختلف زاویوں سے ٹٹولا مگر کوئی اہم بات معلوم نہ ہو سکی۔ یہ کیس ایک معمے کی صورت اختیار کر گیا تھا۔ مشتاق کا کوئی دشمن نہیں تھا جو یہ سوچا جاتا کہ کسی نے اس کی جان لے لی ہوگی۔ کوئی دوست یا عزیز رشتے دار بھی نہیں تھا جو یہ خیال کر لیا جاتا کہ وہ خاموشی سے ان میں سے کسی سے ملنے چلا گیا ہوگا۔ مشتاق کی گمشدگی میں بڑی پراسراریت تھی اور فی الحال تو یہی نظر آ رہا تھا کہ زرینہ اس سلسلے میں میری کوئی مدد کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ میں نے جاتے جاتے اس سے پوچھ لیا۔

"ایک ذاتی سا سوال ہے زرینہ...... اگر تمہیں برا نہ لگے تو کروں؟"

"ضرور پوچھیں جی۔" وہ جلدی سے بولی۔ "آپ تو میرے خیرخواہ ہیں۔ میں بھلا آپ کو کیوں نہیں بتاؤں گی۔"

"آپ لوگوں کی شادی کو پانچ سال کا عرصہ گزر گیا ہے۔" میں نے اس کی پرکشش آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "لیکن ابھی تک آپ لوگوں کا کوئی بچہ بچی نہیں ہے۔ کیا یہ قدرت کی طرف سے ہے یا تم لوگ کوئی خاص قسم کی احتیاط کر رہے ہو؟"

"پہلے تو میں یہی سمجھتی تھی کہ قدرت ہی کی طرف سے دیر ہے۔" وہ ایک بوجھل سانس خارج کرتے ہوئے بولی۔ "لیکن کچھ عرصہ پہلے اس محرومی کی وجہ پتا چل گئی ہے۔"

"کیا مطلب......؟" میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"لگ بھگ ایک ماہ پہلے ہم دونوں شاہ جی کے پاس گئے تھے۔" وہ بڑی سنجیدگی سے بتانے لگی۔ "شاہ جی نے حساب کتاب لگایا اور بڑے وثوق سے کہہ دیا کہ یہ دوطرفہ معاملہ ہے۔"

"دوطرفہ معاملہ......؟"

"جی تھانے دار صاحب!" وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ "ایک تو انہوں نے بندش بتائی تھی اور دوسرے یہ کہ مشتاق کے اندر کوئی خاص قسم کی کمزوری ہے۔"

"کیسی بندش؟" میں پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

"اولاد کی بندش۔" اس نے جواب دیا۔

"انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ اس بندش کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے؟" میں نے دلچسپی لیتے ہوئے سوال کیا۔

"نام تو نہیں بتایا جی۔" وہ بدستور سنجیدہ لہجے میں بولی۔ "لیکن شاہ جی نے جو اشارے دیے ہیں، یہ حمیدہ ان پر پوری بیٹھتی ہے۔" بات ختم کر کے وہ نفرت بھری نظر سے اس کمرے کی طرف دیکھنے لگی جہاں منظور اور اس کی بیوی حمیدہ موجود تھے۔ "مجھے تو شک ہے کہ وہ اس وقت بھی اندر کوئی کارروائی کر رہی ہوگی۔"

"ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی زرینہ۔" میں نے اس کے شک کو نظرانداز کرتے ہوئے الجھن زدہ انداز میں کہا۔ "مشتاق تو حمیدہ کا سگا اور اکلوتا بھائی ہے۔ وہ اس کے لیے اولاد کی بندش کیوں کرائے گی؟"

"یہ ایک لمبی کہانی ہے تھانے دار صاحب......" وہ

ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولی۔ ''پتا نہیں، آپ کو میری بات کا یقین بھی آئے گا یا نہیں۔''

''کہانی چاہے کتنی بھی لمبی کیوں نہ ہو، میں سن لوں گا۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''اور اس بات کا فیصلہ میں تمہاری کہانی سننے کے بعد کروں گا کہ مجھے اس پر یقین کرنا چاہیے یا نہیں لہٰذا تم پہلی فرصت میں شروع ہو جاؤ۔''

اس نے مختلف زاویوں سے اپنے اور حمیدہ کے خاندانی حالات بیان کرنے کے بعد بالکل آخر میں کہا۔

''تھانے دار جی! بات دراصل یہ ہے کہ حمیدہ بہت ہی تیکھی اور سازشی عورت ہے۔ یہ اپنے گھر والے کی چھوٹی بہن ثمینہ سے مشتاق کی شادی کرانا چاہتی تھی۔ ثمینہ واجبی سی شکل وصورت کی مالک ہے جبکہ مشتاق مجھ پر ریجھا ہوا تھا۔ اس طرح جب میری اور مشتاق کی شادی ہوگئی تو اس سے حمیدہ کو شدید صدمہ ہوا۔ بس، اسی دن سے یہ ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑی ہے۔ میرے خلاف الٹی سیدھی باتیں کرتی رہتی ہے......'' وہ روہانسی ہوگئی۔

''مثلاً...... کیسی الٹی سیدھی باتیں؟'' میں نے ہمدردی بھرے لہجے میں پوچھا۔

''ایسی...... ایسی باتیں جن کو سن کر مشتاق مجھے طلاق دے دے۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ''کبھی وہ مجھے سخی موچی کے لڑکے خوشیا کے ساتھ بدنام کرنے کی کوشش کرتی ہے تو کبھی دینو کمہار کے لڑکے منیرو کے ساتھ اور جب کسی بھی طرح اس کی دال نہیں گلی تو اس نے بندش کروا دی ہے۔ مجھے شک ہے......'' لمحاتی توقف کر کے اس نے ایک بوجھل سانس خارج کی پھر گہری سنجیدگی سے اضافہ کرتے ہوئے بولی۔

''یہ جو مشتاق دن رات مجھ سے لڑائی جھگڑا کرتا رہتا ہے نا، یہ بھی حمیدہ کی پٹیوں ہی کا نتیجہ ہے۔''

میں نے بڑی توجہ سے زرینہ کی بات سنی۔ ''بندش'' والے معاملے کو تو میں نے خرافات کے کھاتے میں ڈالا البتہ خوشیا اور منیرو کے ناموں نے اس کیس میں میری دلچسپی کو بہت زیادہ بڑھا دیا تھا۔ میں چونکہ زرینہ کے موقف سے آگاہ ہو چکا تھا لہٰذا میں نے مختلف زاویے سے سوال کیا۔

''یہ خوشیا اور منیرو بھی پہلی والا ہی میں رہتے ہیں؟''

''جی۔'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''وہ دو تین گلیاں چھوڑ کر ادھر ہی رہتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے زرینہ!'' میں نے اس کے دل کی بات کی۔ ''تم فکر نہیں کرو۔ میں اس معاملے کی پوری تحقیق کروں گا۔ اگر تمہاری نند حمیدہ غلط ثابت ہوئی تو میں اسے تھانے میں بند کر دوں گا اور ایسی کڑی سزا دوں گا کہ آئندہ وہ کبھی تمہاری طرف میلی نظر سے نہیں دیکھے گی۔''

''جی۔ بہت بہت شکریہ۔'' اس کے چہرے اور آنکھوں میں ایک اطمینان بھری خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

میں ''شاہ جی'' کو بھی ایک لمحے کے لیے نہیں بھولا تھا۔ میں نے غیر محسوس انداز میں اسے گھیرنے کی کوشش کی۔

''زرینہ! یہ تو بتاؤ۔ شاہ جی کیا شے ہیں؟''

''وہ شے نہیں ہیں جناب......'' وہ الجھن زدہ انداز میں مجھے دیکھتے ہوئے بولی۔ ''شاہ جی اللہ والے اور بہت ہی پہنچے ہوئے بزرگ ہیں۔''

شاہ جی کے لیے زرینہ کی عقیدت ایک لمحے میں ابھر کر سامنے آگئی تھی۔ یہ ایسا موقع نہیں تھا کہ میں زرینہ کو اپنے نظریات سے قائل کرنے کے لیے کوئی مناظرہ شروع کر دیتا چنانچہ میں نے نہایت ہی محتاط الفاظ میں کہا۔

''یہی تو میں بھی جاننا چاہتا ہوں کہ وہ کہاں تک پہنچے ہوئے ہیں...... مطلب یہ کہ، وہ کہاں پائے جاتے ہیں؟''

''آپ نے یہ نہر دیکھی ہے نا......؟''

''ہاں دیکھی ہے۔'' میں نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''اسی نہر کے اوپر سے گزر کر تو ہم پہلی والا میں داخل ہوئے ہیں۔''

''بس جی، اسی نہر کے کنارے پہلی والا کی طرف ان کا آستانہ ہے۔'' اس نے بتایا۔ ''لوگ دور دور سے اپنے مسئلے لے کر ان کے پاس آتے ہیں اور مرادوں کی جھولیاں بھر کے جاتے ہیں۔''

''آپ لوگ بھی ایک ماہ پہلے شاہ جی کے پاس گئے تھے، اپنے من کی مراد لے کر۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اور شاہ جی نے تمہیں بندش اور مشتاق کو مخصوص قسم کی کمزوری بتائی تھی؟''

''جی...... جی ہاں۔'' اس نے جلدی سے اثبات میں گردن ہلا دی۔

''کیا آپ لوگوں کو شاہ جی نے کوئی علاج بھی بتایا تھا؟'' میں نے پوچھا۔

''جی...... انہوں نے دونوں کے علاج کی بات کی تھی۔'' اس نے بتایا۔ ''وہ کہہ رہے تھے، مشتاق کو کوئی خاص کشتہ بنا کر دیں گے۔ ایک ماہ تک اس کشتے کے استعمال سے مشتاق کی ساری کمزوری جاتی رہے گی اور وہ

ایک بھرپور مرد بن جائے گا۔'' وہ تھوڑی دیر کے لیے رکی پھر اپنی بات کو مکمل کرتے ہوئے بولی۔

''مجھ پر انہوں نے دم کرنے کو کہا تھا۔ ان کا حکم تھا کہ میں سات دن تک نہایت ہی پابندی کے ساتھ ان کے آستانے پر آؤں۔ وہ ہر روز مجھ پر کوئی خاص عمل کریں گے جس سے بندش کی کاٹ ہوجائے گی اور سارے معاملات سیدھے ہوجائیں گے۔ انہوں نے یہ ہدایت بھی کی تھی کہ جب تک علاج جاری رہے گا، ہمیں پرہیز کرنا ہوگا...... آپ میری بات سمجھ رہے ہیں نا!''

میں کوئی ننھا بچہ نہیں تھا جو لفظ ''پرہیز'' کی معنویت سے نابلد ہوتا۔ زرینہ کے استفسار کے جواب میں، میں نے اثبات میں گردن ہلائی اور پوچھا۔

''تو پھر آپ میاں بیوی نے شاہ جی کا علاج شروع کیا؟''

''کہاں جی۔ مشتاق نے بڑی گڑبڑ کردی تھی۔'' وہ بیزاری سے بولی۔

''کیسی گڑبڑ؟'' میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''وہاں شاہ جی کے پاس تو یہ نامعقول ''ہاں، ہاں'' کرتا رہا تھا اور گھر میں داخل ہوتے ہی اس نے آسمان سر پر اٹھالیا۔'' وہ چہرے پر ناگواری کے تاثرات سجاتے ہوئے بولی۔ ''کہنے لگا...... میرے اندر کوئی کمزوری نہیں۔ میں شاہ جی کا کشتہ نہیں کھاؤں گا اور نہ ہی تمہیں کسی دم وغیرہ کے لیے ان کے آستانے پر جانے دوں گا۔ بس، خاموش ہوکر گھر میں بیٹھی رہو۔ اگر اللہ نے قسمت میں اولاد لکھی ہے تو ضرور ہوگی۔ اس کی اس جاہلانہ سوچ کا میں مقابلہ نہ کرسکی اور اپنے نصیب کو رو دھو کر چپ ہوگئی......'' پھر اس نے امید بھرے انداز میں میری طرف دیکھتے ہوئے اضافہ کیا۔

''تھانے دار جی! مجھے تو لگتا ہے، حمیدہ نے مشتاق پر بھی کوئی کالا پیلا کرا رکھا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟''

ہمارا یہ المیہ ہے کہ ہم دین سے دوری کے باعث جہالت کے تاریک غاروں میں بے مہار دوڑے چلے جارہے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں اگر کوئی شخص سچی اور کھری بات کہہ دے تو اسے الو کا پٹھا سمجھا جاتا ہے۔ لوگ دیوانہ سمجھ کر اس پر چڑھ دوڑتے ہیں۔ یہی سب مشتاق کے ساتھ بھی ہوا تھا۔ بہرحال، زرینہ نے مجھ سے میرا خیال جانا تھا لہٰذا اس کی تشفی بھی ضروری تھی۔ میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''زرینہ! تم بالکل بے فکر ہوجاؤ۔ میں دو تین دن میں تحقیق مکمل کرلوں گا۔ اس کے بعد دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہوجائے گا۔''

اس نے میرا شکریہ ادا کیا اور میں اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

اس ملاقات میں، میں نے زرینہ کو باور کرا دیا تھا کہ میری ساری ہمدردیاں اسی کے ساتھ ہیں۔ یہ اس لیے بھی ضروری تھا تاکہ وہ مجھ سے چھوٹی سے چھوٹی بات بھی چھپانے کی کوشش نہ کرے۔

حمیدہ اور منظور بھی میرے ساتھ ہی زرینہ کے گھر سے باہر نکل آئے تھے۔ جب ہم تانگے کے نزدیک پہنچے تو حمیدہ نے پوچھا۔

''کچھ بتایا ہے جی اس نے......؟'' اس کا اشارہ زرینہ کی جانب تھا۔

''بتایا تو بہت کچھ ہے مگر اس میں مشتاق کے بارے میں کچھ نہیں۔'' میں نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔ ''بلکہ اس نے ہر برائی کی جڑ تمہیں قرار دیا ہے۔''

''مجھے......!'' حمیدہ ایسے اچھلی جیسے کسی زہریلے بچھو نے اسے ڈنک مار دیا ہو۔ ''میں نے اس کی کون سی گائے مج (بھینس) چرالی ہے......؟''

''یہ ایک دلچسپ اور طویل قصہ ہے۔'' میں نے سرسری انداز میں کہا۔ ''اس پر کل بات کریں گے اور ہاں......'' ایک لمحے کے توقف سے میں نے اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ ''کل میں کسی وقت آپ دونوں کو تھانے بلاؤں گا۔ آپ نے چلی والا سے گزرتے ہوئے خود کو بہت پریشان ظاہر کرنا ہے، جیسے تھانے دار نے آپ کو کسی جرم میں گرفتار کرلیا ہے۔''

''مگر ایسا کیوں؟'' منظور نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ ''اس کی کیا ضرورت ہے؟''

''اس ڈرامے کی اشد ضرورت ہے۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا پھر اس کے اطمینان کی خاطر کہہ دیا۔ ''زرینہ کی باتوں سے مجھے کچھ ایسے اشارے ملے ہیں جن سے اس کے گھر والے کی گمشدگی کا مسئلہ حل کیا جاسکتا ہے۔ یہ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ تم لوگوں کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ شام سے پہلے تم دونوں اپنے گھر میں ہوگے۔''

ان کے چہرے تو یہی بتا رہے تھے کہ میری بات ان کے پلّے نہیں پڑی تاہم منظور نے بڑی فرماں برداری سے کہا۔ ''ٹھیک ہے تھانے دار صاحب...... جو آپ کا حکم!''

میں کانسٹیبل کے ساتھ تانگے میں بیٹھا اور تھانے کی

جانب روانہ ہوگیا۔ مغرب کی اذان . . . راستے ہی میں ہوگئی تھی۔ جب ہم تھانہ صدر پہنچے تو چاروں جانب اندھیرا چھا چکا تھا۔

☆☆☆

رات کو جب میں سونے کے لیے لیٹا تو مشتاق کی پراسرار گمشدگی والا واقعہ بھی میرے ذہن میں تھا۔ اگر مشتاق اور زرینہ کی آپس میں بنتی نہیں تھی تو اس میں حیرت والی کوئی بات نہیں تھی۔ عموماً ایک سے دو فیصد میاں بیوی ہی کی آپس میں بنتی ہے، یہ الگ بات ہے کہ اکثر لوگ اندرونی حالات کا باہر ذکر نہیں کرتے اور ''سب اچھا ہے'' کا ڈھنڈورا پیٹتے رہتے ہیں۔ یہ رشتہ ہی ایسا ہے کہ کوئی بھی دوسرے کی برتری ماننے کو تیار نہیں ہوتا کیونکہ ہر دوسرا خود کو ہی برتر سمجھتا ہے جبکہ خوشگوار اور دیرپا تعلقات کے لیے تسلیم ورضا بہت ضروری ہے یا کسی کو اپنا بنا لیں یا پھر کسی کے ہو جائیں۔

میں سمجھتا ہوں، مشتاق، زرینہ سے ہونے والے لڑائی جھگڑے کے باعث کہیں نہیں گیا ہوگا۔ سردست جو حالات سامنے تھے ان کی روشنی میں یہی نظر آتا تھا کہ مشتاق کو غائب کردیا گیا تھا۔

اسے کس نے غائب کیا تھا......؟

یہ ایک سنسنی خیز اور اہم سوال تھا جس کا جواب مجھے تلاش کرنا تھا۔ میں نے اس نکتے پر غور کیا تو میری نگاہ کے سامنے ایک راستہ سا کھل گیا جس پر لکھا ہوا تھا کہ مشتاق کو غائب کرنے والا اس کا دشمن ہوگا۔

اب تک کی حاصل شدہ معلومات کے مطابق دور ونزدیک مشتاق کا کوئی دشمن دکھائی نہیں دیتا تھا مگر میں اس سے اتفاق نہیں کرسکتا تھا۔ میں نے حتی الامکان نگاہ دوڑائی تو اس کے دو دشمنوں کو تلاش کرنے میں کامیاب ہوگیا...... مطلب، دو پارٹیوں کو۔

ایک پارٹی دو افراد پر مشتمل تھی یعنی سخی موچی کا بیٹا خوشیا اور دینو کمہار کا بیٹا منیرو۔ زرینہ نے مجھے بتایا تھا کہ اس کی نند حمیدہ ان دونوں لڑکوں کے ساتھ منسوب کرکے اس کی عزت خراب کرنے کی کوشش کرتی رہتی ہے۔ عین ممکن تھا کہ حمیدہ اس سلسلے میں مشتاق کے کان بھی بھرتی ہو اور کبھی مشتاق کی ان دونوں سے یا ان میں سے کسی ایک سے تلخ کلامی ہوگئی ہو۔ مشتاق ایک حسین وجمیل اور پرکشش بیوی کا شوہر تھا اور خود واجبی سی شکل وصورت کا مالک۔ ایسے کیسوں میں شوہر بہت زیادہ شکی اور زودرنج ہوجاتا ہے۔ ہر وہ شخص جس کی غلطی سے بھی اس کی خوب صورت بیوی پر نظر پڑ جائے، اس کے بارے میں وہ یہی سوچتا ہے کہ اس کی بیوی کے ساتھ کوئی چکر چل رہا ہے۔ ایسے شوہر اندر ہی اندر کڑھتے رہتے ہیں اور آئے دن ان کے لوگوں کے ساتھ لڑائی جھگڑے بھی ہوتے رہتے ہیں۔

اس تناظر میں خوشیا اور منیرو میں سے کوئی بھی مشتاق کا متوقع دشمن ہوسکتا تھا لہٰذا میں نے اگلی ہی صبح انہیں پوچھ گچھ کے لیے تھانے بلانے کا فیصلہ کرلیا تاکہ پتا تو چلے، یہ نوجوان کس مزاج کے لوگ ہیں۔

مشتاق کا دوسرا متوقع دشمن ''شاہ جی'' بھی ہوسکتا تھا۔ زرینہ کے مطابق شاہ جی نے ان کی بے اولادی کے اسباب کا سراغ لگانے کے بعد ان کے لیے الگ الگ علاج بھی تجویز کردیا تھا لیکن مشتاق نے انتہائی سرکشی اور نافرمانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے شاہ جی کی صلاح کو اپنے قدموں تلے روند ڈالا تھا۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ مشتاق کے اس گستاخانہ رویے کی شاہ جی کو خبر نہ ہوئی ہو۔ زرینہ نے بڑی عقیدت اور احترام سے مجھے بتایا تھا کہ شاہ جی بہت پہنچے ہوئے اور کرنی والے بزرگ ہیں۔ عین ممکن تھا، شاہ جی نے بدتمیز اور بے ادب مشتاق کو اپنی کرنی کے زور پر کہیں بہت اوپر پہنچا دیا ہو۔ میرا سابق پیشہ ورانہ تجربہ تو یہی بتاتا تھا کہ اس نوعیت کے آستانہ نشین ''جلالی باباؤں'' سے ہر قسم کی توقع رکھی جاسکتی ہے۔

میں نے سونے سے پہلے ایک اہم فیصلہ یہ بھی کیا کہ آئندہ روز میں تھوڑا وقت نکال کر شاہ جی کی ''قدم بوسی'' کے لیے بھی جاؤں گا تاکہ یہ اندازہ لگا سکوں کہ وہ کہاں سے کہاں تک پہنچے ہوئے ہیں......؟

آدھی رات کے بعد ایک مخصوص آواز سے میری آنکھ کھل گئی۔ وہ اکتوبر کا وسط تھا۔ رات میں اچھی خاصی خنکی ہوجاتی تھی۔ اب لوگوں نے صحن اور چھتوں کو خیرباد کہہ کر گھروں کے اندر یعنی کمروں میں سونا شروع کردیا تھا اور وہ بھی کمبل یا کھیس اوڑھ کر۔ میں بھی اپنے سرکاری کوارٹر کے اکلوتے کمرے میں سویا ہوا تھا۔ میں نے اوپر جس مخصوص آواز کا ذکر کیا ہے، وہ بارش کی آواز تھی۔ میں کمرے سے نکل کر برآمدے میں آیا تو صحن میں رم جھم کا سماں تھا۔ جی تو یہی چاہا کہ وہیں کھڑے ہوکر اس برستی ہوئی بارش کا نظارہ کروں لیکن صحن میں پڑے ہوئے سامان کو بچانا بھی ضروری تھا۔

صحن میں چارپائی کے علاوہ بھی چند ایسی چیزیں رکھی

تھیں جن کو بارش میں بھیگنے سے بچانا تھا۔ الگنی پر کچھ کپڑے بھی پھیلے ہوئے تھے۔ میں نے جلدی جلدی اس سامان کو سمیٹا اور برآمدے میں منتقل کر دیا۔ اس کے باوجود بھی بارش نے مجھے اچھی طرح بھگو ڈالا تھا۔ میں نے جلدی سے لباس تبدیل کیا اور دوبارہ گرم بستر میں دبک گیا۔

عموماً ان دنوں بارشیں نہیں ہوا کرتی تھیں۔ یہ قانون قدرت ہے کہ جب کھیتوں میں کوئی فصل تیار کھڑی ہو تو بارش نہیں ہوا کرتی کیونکہ بارش تیار فصل کے لیے نہایت ہی خطرناک اور تباہ کن ثابت ہوتی ہے۔ میں نے بارش کے تھمنے کی دعا کی۔ شاید وہ قبولیت کی گھڑی تھی جب میں نے تہ دل سے دعا کی تھی۔

صبح میں بیدار ہوا تو بارش کا کہیں نام و نشان نہیں تھا۔ آثار سے یہی نظر آتا تھا کہ بارش آدھا یا پون گھنٹا سے زیادہ نہیں برسی ہوگی۔

☆☆☆

آئندہ روز میں نے تھانے پہنچتے ہی سب سے پہلے اپنے عملے کے ایک آدمی کو ہندو چک اور پہلی والا کی جانب روانہ کر دیا۔ اسے پہلے ہندو چک سے حمیدہ اور اس کے شوہر منظور کو اٹھانا تھا پھر پہلی والا سے تخی موچی کے بیٹے خوشیا اور دینو کمہار کے بیٹے منیرو کو ساتھ لے کر تھانے واپس آنا تھا۔ میں نے اس اہلکار کو خاص طور پر یہ ہدایت کر دی تھی کہ جب وہ پہلی والا سے خوشیا اور منیرو کو اٹھائے تو اہلِ پہلی والا کو یہ نظر آ جانا چاہیے کہ تانگے میں منظور حسین اور اس کی بیوی حمیدہ بھی بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ سب میں زرینہ کی تسلی کے لیے کر رہا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ وہ مجھ پر اندھا اعتماد کرے۔

دراصل میں زرینہ کی ذات اور اس کے بیان کردہ حالات سے مطمئن نہیں تھا۔ مجھے شک نہیں بلکہ یقین تھا کہ اس نے کہیں نہ کہیں مجھ سے دروغ گوئی کی ہے۔ ایسی دروغ گوئی جس کا مشتاق کی گمشدگی سے کوئی نہ کوئی تعلق ضرور تھا۔ میں زرینہ کے دماغ تک رسائی حاصل کرنے اور حقیقت کی تہ تک پہنچنے کے لیے یہ سب کر رہا تھا اور مجھے یقین تھا کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب رہوں گا۔

گزشتہ روز ویگن اسٹینڈ پر جو دنگا فساد ہوا تھا اس کے ملزمان میرے تھانے کی حوالات میں بند تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں ان کے خیر خواہ علاقے کے بااثر افراد بھی آ گئے۔ میں نے آدھے گھنٹے کی کچہری کے بعد دونوں پارٹیوں میں صلح صفائی کرا دی اور انہیں رخصت کر دیا۔ میرے سامنے تو انہوں نے گلے مل کر مصالحت کر لی تھی۔ یہ بات میں وثوق سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ انہوں نے ایک دوسرے کے لیے اپنے دلوں کو بھی صاف کیا تھا یا نہیں۔

دوپہر سے تھوڑی دیر پہلے ہندو چک اور پہلی والا کے ''مہمان'' تھانے پہنچ گئے۔ میں نے خوشیا اور منیرو کو فوراً حوالات میں بند کروا دیا اور منظور کو حمیدہ سمیت اپنے کمرے میں بلا لیا۔

وہ دونوں میرے سامنے آ کر بیٹھے تو میں نے یکے بعد دیگرے ان کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ ''کیا زرینہ نے آپ لوگوں کو تانگے میں بیٹھے ہوئے دیکھا تھا؟''

''جی ہاں۔'' وہ بہ یک زبان ہو کر بولے۔ ''نہ صرف دیکھا تھا بلکہ وہ تو خوش بھی ہو رہی تھی......'' پھر منظور نے مجھ سے پوچھا۔

''تھانے دار صاحب! یہ کیا ماجرا ہے؟''

''پتا نہیں، یہ ماجرا ہے یا باجرا۔'' میں نے ذومعنی انداز میں کہا۔ ''میں نے تو ایک پرندے کو شکار کرنے کے لیے دانہ ڈالا ہے۔ وہ پرندہ مجھے مشتاق تک پہنچا دے گا۔''

وہ دونوں الجھن زدہ نظروں سے مجھے تکنے لگے۔

میں نے سلیس الفاظ میں وضاحت کی تو ان کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔ حمیدہ کی سرسراتی ہوئی آواز ....خارج ہوئی۔

''تت......تو......اس کا مطلب ہے، مشتاق کو زرینہ نے غائب کیا ہے؟''

عورتوں کے سوچنے کا اپنا ایک مخصوص انداز ہوتا ہے اور وہ کسی چیز کے بارے میں رائے قائم کرنے میں ایک لمحہ ضائع نہیں کرتیں جیسے کہ پیر استاد نے انہیں بتا رکھا ہو کہ......بچہ! ایسے کاموں میں تاخیر مناسب نہیں ہوتی۔

''میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی جس سے یہ مطلب نکلتا ہو۔'' میں نے حمیدہ کے استفسار کے جواب میں کہا۔ ''مجھے کچھ اشارے ملے ہیں جن کی وضاحت کے لیے میں نے تمہیں تھانے بلایا ہے۔ اگر میرا شک درست ثابت ہوتا ہے تو پھر مشتاق کا سراغ لگانے میں کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔''

''سرکار! آپ نے بلایا اور ہم آپ کے حکم پر چلے آئے۔'' منظور نے عاجزی سے کہا۔ ''آپ ہم سے جو بھی سوال کریں گے، ہم اس کا ٹھیک ٹھیک جواب دیں گے۔''

''مجھے زیادہ سوالات تو تمہاری بیوی ہی سے کرنا ہیں منظور۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''کیونکہ زرینہ سب سے زیادہ محبت حمیدہ ہی سے کرتی ہے۔''

''یہ آپ عجیب بات کررہے ہیں تھانے دار صاحب۔'' حمیدہ متذبذب نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولی۔ ''اس کو تو مجھ سے خدا واسطے کا بیر ہے۔ میں مان ہی نہیں سکتی کہ وہ میری برائی کے علاوہ بھی کچھ کرسکتی ہو......''
لحاتی توقف کرکے اس نے ایک گہری سانس خارج کی پھر بات مکمل کرتے ہوئے بولی۔
''سچ بتائیں تھانے دار صاحب!'' میں نے اس کے سوال میں خاصی سنسنی محسوس کی۔ ''آپ نے یہ بات طنزیہ انداز میں کی ہے نا؟''
''تمہارا اندازہ درست ہے حمیدہ۔'' میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔
''اس کا مطلب ہے، اس کمینی نے میرے خلاف بہت زہر اگلا ہے؟'' اس نے تُنکی سے پوچھا۔ ''آپ کو میرے بارے میں الٹا سیدھا بتایا ہے...... ہیں نا؟''
حمیدہ کے استفسار کے جواب میں، میں نے سر کو اثباتی جنبش دی اور کہا۔ ''میں نے تمہیں اسی وضاحت کے لیے تو تھانے بلایا ہے۔''
''آپ پوچھیں جی، کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔'' وہ جوش میں آتے ہوئے بولی۔ ''میں بھی تو سنوں اس بدبخت نے کون سی آگ اگلی ہے۔''
''کیا یہ سچ ہے کہ منظور کی ایک چھوٹی بہن ثمینہ ہے؟''
''جی ہاں...... اس میں بھلا کیا شک ہے۔''
''تمہاری یہ خواہش تھی کہ ثمینہ اور مشتاق کی شادی ہوجائے؟'' میں نے پوچھا۔
''بالکل! میں ایسا ہی چاہتی تھی۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولی۔ ''میں ثمینہ کو اچھی طرح جانتی ہوں۔ وہ میری نند ہے اور ہم کئی سالوں سے ایک ساتھ، ایک ہی گھر میں رہ رہے ہیں۔ میں سمجھتی ہوں، مشتاق کے لیے ثمینہ سے زیادہ موزوں اور کوئی لڑکی ہو ہی نہیں سکتی تھی اسی لیے میری یہ تمنا تھی کہ ان کی شادی ہوجائے مگر......'' اس کے چہرے پر دکھ اور نفرت کے ملے جلے تاثرات نمودار ہوئے۔
''مگر کیا؟'' میں نے اس کے ادھورے جملے پر استفسار کیا۔
''مگر مشتاق کی عقل پر پردہ پڑ گیا تھا۔'' وہ دانت پیستے ہوئے بولی۔ ''وہ گوری چٹی اور چھیل چھبیلی زرینہ پر مرمٹا تھا۔ اس کی سمجھ میں کوئی بات نہ آئی اور اس نے اسی سے شادی کرلی۔''
''گوری چٹی'' اور ''چھیل چھبیلی'' جیسے الفاظ استعمال کرکے حمیدہ نے دراصل زرینہ کے حسن اور جوانی کی تعریف کی تھی لیکن چونکہ وہ اپنے دل میں اس کے لیے اچھے جذبات نہیں رکھتی تھی لہٰذا اس کی ناپسندیدگی ان الفاظ سے بھی عیاں تھی۔ میں نے اپنے کام کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔
''جب تم اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکیں تو پھر تم نے اپنے بھائی کا گھر اجاڑنے کی کوششیں شروع کردیں؟''
''میں مشتاق کا گھر اجاڑوں گی۔'' وہ استعجابیہ انداز میں مجھے گھورتے ہوئے بولی۔ ''تھانے دار صاحب! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟''
''یہ میں نہیں کہہ رہا، تمہاری بھابی زرینہ نے فرمایا ہے۔''
''اس نے سراسر بکواس کی ہے۔'' وہ جلال میں آگئی۔ ''آپ اس پھاپھا کٹنی کو تھانے بلائیں۔ میں ابھی آپ کے سامنے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کرکے دکھاتی ہوں......''
''مجھے نہیں امید کہ کبھی تم دونوں کو آمنے سامنے بٹھا کر کوئی مناظرہ کرانے کی نوبت آئے لیکن ایسی ضرورت پیش آہی گئی تو پھر میں اس کام میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''فی الحال، میں تم سے جو سوال کروں اس کا سیدھا اور مختصر جواب دینا۔''
اس نے اثبات میں گردن ہلانے پر اکتفا کیا۔
میں نے کہا۔ ''جب تمہیں اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہیں ہوئی تو تم نے مشتاق کے کان بھرنا شروع کردیے جس کے نتیجے میں، میاں بیوی میں اکثر لڑائی جھگڑا رہنے لگا؟''
''بالکل جھوٹ۔'' حمیدہ نے میری ہدایت کے مطابق دوٹوک اور مختصر جواب دیا۔
''تمہاری یہ سازش بڑی حد تک کامیاب رہی۔ میاں بیوی میں صبح وشام دنگا فساد ہونے لگا۔'' میں نے بدستور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔ ''لڑائی جھگڑے کا سلسلہ تو چل نکلا تھا مگر مشتاق، زرینہ کو اپنی زندگی سے باہر نہیں نکال پا رہا تھا۔ اس کام کو تیز کرنے کے لیے تم نے زرینہ کے کردار پر ایک خطرناک حملہ کردیا۔''
میں نے ڈرامائی توقف کرکے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا تو وہ پوچھے بنا نہ رہ سکی۔
''کون سا خطرناک حملہ تھانے دار صاحب؟''
''تم نے یہ مشہور کردیا کہ زرینہ کے خوشیا اور منیرو کے ساتھ تعلقات ہیں۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے انداز میں

کہا۔ ''یہ ایک ایسا حربہ تھا کہ مشتاق سنتے ہی اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا۔ کوئی بھی شوہر ان معاملات کو بڑی سنجیدگی سے لیتا ہے مگر مشتاق کے کان پر جوں تک نہ رینگی اور تم ایک بار پھر شکست کھا گئیں......؟''

اس کی برداشت جواب دے گئی۔ بپھرے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''آپ نے اس بدذات کی تو بہت ساری سنا ڈالیں۔ اب ذرا میری بھی سنیں......''

میں ہمہ تن گوش ہو گیا۔

''یہ جو منیرو اور خوشیا ہیں نا، ان کے بارے میں پورے پہلی والا سے جا کر پوچھ لیں۔'' وہ جلالی انداز میں بتانے لگی۔ ''ایک نمبر کے آوارہ اور لفنگے ہیں دونوں......''

''میں نے انہیں اسی لیے تھانے بلا کر حوالات میں بند کیا ہے۔'' میں نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا۔ ''میں ان سے کڑی پوچھ گچھ کروں گا۔ تم فکر نہ کرو۔ سب کے ساتھ انصاف ہوگا۔ میں آپ دونوں میاں بیوی کو قصوروار نہیں سمجھتا اس لیے اپنے کمرے میں بٹھا رکھا ہے۔ تمہارے جوابات سے مجھے زرینہ کو سمجھنے میں مدد ملے گی اور اگر زرینہ میری سمجھ میں آگئی تو میں گمشدہ مشتاق کو ڈھونڈنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔''

''میں آپ کو زرینہ کی ہوشیاری اور مکاری کے بارے میں ہی تو بتا رہی تھی۔'' وہ سیدھی ہو کر بیٹھتے ہوئے بولی۔ ''خوشیا اور منیرو مشتاق کے گھر سے دو تین گلیاں ادھر ادھر رہتے ہیں لیکن ادھر مشتاق دکان کی طرف روانہ ہوا، ادھر یہ دونوں زرینہ کے گھر کے سامنے حاضر ہو گئے۔ گلی ڈنڈا کھیلنا ہو یا پتنگ اڑانا ہو یا پھر کنچے اور اخروٹ سے دل بہلانا ہو، ان بدمعاشوں کا پورا دن زرینہ کے دروازے کے سامنے گزرتا ہے اور وہ بھی آدھا دروازہ کھولے کھڑی ان کے کھیل تماشوں کو دیکھتی رہتی ہے۔ انسان کی عزت اپنے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ توبہ، توبہ...... استغفراللہ!'' اس نے لمحاتی توقف کر کے کانوں کو ہاتھ لگائے پھر اسی جوشیلے انداز میں اضافہ کرتے ہوئے بولی۔

''کیا ضرورت ہے، ایسے آوارہ گردوں کے کھیل دیکھنے کی۔ نہ صرف زرینہ ان کا تماشا دیکھتی ہے بلکہ انہیں لسی پانی کا بھی پوچھتی ہے۔ جب پہلی مرتبہ کسی کی زبانی مجھ تک ان واقعات کی خبر پہنچی تو مجھے یقین ہی نہیں آیا۔ بتانے والے نے ایسے وثوق سے بات کی تھی کہ میں ادھر ادھر کے لوگوں سے تصدیق کرنے پر مجبور ہو گئی۔ میں نے پہلی والا آ کر آس پڑوس سے سن گن لی تو یہ اطلاع سو فیصد سچی نکلی۔

مشتاق میرا بھائی ہے تھانے دار صاحب...... اگر اس کی عزت پر حرف آئے گا تو کیا مجھے دکھ نہیں ہوگا؟ جب زرینہ کی ان گھٹیا حرکتوں کی خبر پہلی والا سے ہندو چک میرے پاس پہنچ سکتی ہے تو کیا پہلی والا میں لوگ زرینہ پر اور مشتاق پر تھو تھو نہیں کر رہے ہوں گے۔ اس بے غیرت نسل نے تو شرم و حیا کو اتار کر ایک طرف پھینک دیا ہے۔ میرے بھائی کی عزت کو نیلام کرتی پھر رہی ہے۔ ہاں......'' وہ ایک بار پھر پھولی ہوئی سانس کے ساتھ متوقف ہوئی پھر بڑے طمطراق سے اضافہ کرتے ہوئے بولی۔

''میں نے مشتاق کو زرینہ کے کرتوتوں کے بارے میں بتایا تھا اور میں سمجھتی ہوں، میں نے کچھ بھی غلط نہیں کیا تھا۔ یہ مشتاق کی بزدلی اور نالائقی ہے کہ وہ اس سرکش گھوڑی کو سیدھے راستے پر نہیں لا سکا۔''

میں گزشتہ روز پہلی والا گیا تھا اور زرینہ کے گھر میں، میں نے اچھا خاصا وقت گزارا تھا۔ اس کے گھر کے سامنے ایک چھوٹا سا میدان تھا جہاں گاؤں کے بچے مختلف کھیل کھیلتے نظر آئے تھے۔ حمیدہ نے خوشیا اور منیرو کے کھیل کے حوالے سے جو بات کی تھی اس کی زیادہ اہمیت نہیں تھی البتہ زرینہ کا بڑے انہماک سے انہیں کھیلتے ہوئے دیکھنا اور لسی پانی سے ان کی تواضع کرنا تشویش ناک تھا تاہم یہ چونکہ حمیدہ کا بیان تھا اور یقیناً زرینہ اس کی تردید ہی کرتی۔ ان نند بھابی کے بیچ جو کڑوے پانی کی خلیج حائل تھی، میں اس کو پاٹنے میں اپنی توانائی ضائع نہیں کر سکتا تھا لہٰذا فوراً میں اصل موضوع کی طرف آ گیا۔

''مشتاق واقعی ایک احمق، بزدل اور نالائق انسان ہے۔'' میں نے حمیدہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''جب وہ زرینہ جیسی سرکش اور اڑیل گھوڑی کو راہ راست پر نہیں لا سکا تو تم نے ایک اور چال چلی، زرینہ کے بیان کے مطابق۔''

''کیسی چال؟'' وہ چونک کر مجھے تکنے لگی۔

''بہت ہی خطرناک چال......'' میں نے ڈرامائی لہجے میں کہا۔ ''تم نے زرینہ کے خلاف بندش کروا دی۔''

''تھانے دار صاحب! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' منظور پہلی مرتبہ ہماری گفتگو کے بیچ بولا تھا۔ ''حمیدہ بھی تعویذوں اور بندشوں کے چکر میں نہیں رہی۔ زرینہ سراسر بکواس کر رہی ہے۔''

''اب جو بھی ہے۔'' میں نے عام سے لہجے میں کہا۔ ''زرینہ کا تو یہی دعویٰ ہے۔''

''اس منحوس کو یہ کیسے پتا چلا کہ میں نے اس کے

خلاف کوئی بندش کرائی ہے۔'' حمیدہ چمک کر بولی۔ ''کیا اس نے خواب میں دیکھا ہے......؟''
''اسے قبلہ شاہ جی نے بتایا ہے۔''
''وہ شاہ جی جو نہر کے کنارے والے آستانے میں ہوتے ہیں؟'' وہ چونکے ہوئے لہجے میں مجھ سے مستفسر ہوئی۔
''ہاں...... میں انہی شاہ جی کی بات کر رہا ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔
حمیدہ نے تشویش ناک لہجے میں پوچھا۔ ''وہ شاہ جی کے پاس کیا لینے گئی تھی؟''
''مشتاق اور زرینہ دونوں لگ بھگ ایک ماہ پہلے شاہ جی کے پاس گئے تھے۔'' میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''انہوں نے شاہ جی کو بتایا کہ شادی کو پانچ سال ہوگئے ہیں اور ابھی تک اولاد نہیں ہوئی۔ شاہ جی نے حساب لگا کر یہ فتویٰ صادر کر دیا کہ کسی نے زرینہ کی اولاد کے سلسلے میں بڑی خطرناک بندش کرائی ہوئی ہے تاکہ مشتاق اسے بانجھ سمجھ کر طلاق دے دے۔''
''کیا شاہ جی نے میرا نام لے کر انہیں بتایا تھا کہ میں نے بندش کروائی ہے؟'' حمیدہ نے طنزیہ لہجے میں دریافت کیا۔
''نہیں......'' میں نے قطعی انداز میں جواب دیا۔
''انہوں نے بندش کروانے والے کے حوالے سے چند اشارے دیے تھے جس سے زرینہ نے اندازہ لگا لیا کہ وہ تمہارے سوا اور کوئی نہیں ہوسکتی۔''
''کتنے افسوس اور دکھ بلکہ...... شرم کی بات ہے۔'' حمیدہ نے افسوس ناک انداز میں گردن کو جنبش دیتے ہوئے کہا۔ ''میرے وہم و گمان میں بھی نہیں اور یہ کم ذات مجھ پر ایسے ایسے گھناؤنے الزام لگا رہی ہے۔ اللہ اس منحوس ماری کو غارت کرے۔''
''میں تو کہتا ہوں، انسان کو پیروں فقیروں کے چکر میں پڑنا ہی نہیں چاہیے۔'' منظور نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔ ''اللہ اور رسول ﷺ نے دین کو اور دنیا کو بڑے آسان اور واضح انداز میں سمجھا دیا ہے۔''
''منظور! میں تمہارے خیالات سے متفق ہوں۔'' میں نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ''لیکن جو لوگ ان چکروں میں پڑے ہوئے ہیں انہیں نکالنا کوئی آسان کام نہیں......'' میں نے رک کر ایک گہری سانس لی پھر اسی سے پوچھ لیا۔
''منظور! تمہاری نظر میں یہ شاہ جی کیسا بندہ ہے؟''
''اللہ ہی بہتر جانتا ہے جی۔ میرا تو کبھی اس سے واسطہ نہیں پڑا۔'' وہ سادگی سے بولا۔ ''میں اور میرا خاندان ایسے بکھیڑوں سے دور ہی رہتے ہیں۔''
''بہت اچھا کرتے ہیں آپ لوگ۔'' میں نے کہا۔ ''میں اصلی مرشد کے خلاف نہیں ہوں۔ ایسا شخص اللہ کا دوست ہوتا ہے اور وہ اللہ کے بندوں کو رشد و ہدایت کی راہ دکھاتا ہے۔ وہ صرف ''دیتا'' ہے ''لیتا'' کسی سے کچھ نہیں۔ جو اللہ کا سچا دوست ہو وہ بھلا کسی سے کیا لے گا مگر ایسے مرشد اور ولی کامل اب خال خال ہی رہ گئے ہیں۔ اکثریت ایسے پیروں، باباؤں اور شاہ صاحبان کی نظر آتی ہے جو معصوم اور سادہ لوح افراد کو الٹی سیدھی کہانیوں میں الجھا کر ان سے زیادہ سے زیادہ مال بٹورنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔''
حمیدہ نے میرے خاموش ہونے پر پوچھا۔ ''تھانے دار صاحب! زرینہ نے شاہ جی سے اس بندش کی کاٹ وغیرہ بھی کرائی تھی یا نہیں؟''
میں نے شاہ جی کی تشخیص میں شامل مشتاق کی مخصوص کمزوری کا ذکر گول کرتے ہوئے نہایت ہی اطمینان سے جواب دیا۔ ''شاہ جی نے بندش کی کاٹ کے لیے زرینہ کو سات دن کا کوئی روحانی عمل بتایا تھا لیکن گھر آکر مشتاق بتھے سے اکھڑ گیا۔ اس نے دوٹوک الفاظ میں زرینہ سے کہہ دیا کہ کسی علاج ولاج کی ضرورت نہیں۔ اگر قسمت میں اولاد ہوگی تو ہوجائے گی ورنہ ہم بے اولاد ہی اچھے ہیں۔''
''یہ کی نا مشتاق نے مردوں والی بات۔'' وہ خوش ہوتے ہوئے بولی۔ ''مشتاق کے اس عمل نے میرے کلیجے میں ٹھنڈ ڈال دی ہے تھانے دار صاحب پر......''
وہ پراسرار انداز میں اچانک رکی تو مجھے تشویش ہوئی۔ یوں محسوس ہوا تھا جیسے کسی نہایت ہی اہم نکتے نے اس کی زبان کو بریک لگا دیے ہوں۔ اس کی آنکھوں میں بھی گہرا تذبذب نظر آرہا تھا۔ میں نے کہنیاں میز پر ٹیک کر آگے کی جانب جھکتے ہوئے استفسار کیا۔
''پر...... کیا حمیدہ؟''
''تھانے دار صاحب!'' وہ اپنے ذہن کو میرے سامنے کھولتے ہوئے بولی۔ ''مشتاق کو غائب ہوئے آج پانچواں دن......''
''پانچواں نہیں۔'' منظور نے لقمہ دیا۔ ''چوتھا دن۔''
''ہاں چوتھا دن......'' حمیدہ نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''جب تک وہ گھر میں تھا تو شاہ جی سے علاج کی مخالفت کر رہا تھا۔ مجھے شک ہے کہ مشتاق کے غائب ہوتے

ہی کہیں زرینہ نے شاہ جی کا علاج شروع نہ کردیا ہو۔''

''زرینہ نے مجھ سے تو ایسی کوئی بات نہیں کی۔'' میں نے سرسری انداز میں کہا۔ ''اور اگر وہ شاہ جی سے علاج کرا بھی رہی ہو تو کیا فرق پڑتا ہے۔''

''بہت فرق پڑتا ہے تھانے دار صاحب!'' وہ سنسنی خیز لہجے میں بولی۔ ''میں کبھی خود تو جا کر شاہ جی سے نہیں ملی اور نہ ہی کبھی انہیں دیکھنے کا موقع ملا ہے مگر ہندو چک کی ایک عورت نے مجھے ان کے بارے میں بڑی خطرناک بات بتائی ہے۔''

میرا چونک جانا لازمی تھا۔ ''کون سی خطرناک بات؟'' میں نے پوچھا۔

''خوب صورت عورتوں کو دیکھ کر ان کی آنکھوں میں ایک حیوانی چمک پیدا ہوجاتی ہے۔'' وہ سنسناتے ہوئے لہجے میں بتانے لگی۔ ''جیسے اپنے شکار کو دیکھ کر کسی جنگلی درندے کی آنکھوں میں پیدا ہوتی ہے۔ مجھے تو فکر ہورہی ہے، یہ الو کی پٹھی زرینہ کوئی نیا چاند نہ چڑھا دے......''

حمیدہ کا انکشاف واقعی تشویش ناک تھا۔ میں نے کئی ڈبا پیروں کا کماحقہ خاتمہ کیا تھا جن میں بیماری شدت کی ''ہوس'' تھی۔ زرینہ کے معاملے میں ایسا تھا یا نہیں، قبل از وقت اس کے بارے میں، میں کوئی فتویٰ صادر کرنا مناسب نہیں سمجھتا تھا لہٰذا حمیدہ کی پریشانی کے جواب میں، میں نے تسلی بھرے لہجے میں کہا۔

''آپ لوگوں کو قطعاً پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں ایک دو دن میں اپنی تفتیش مکمل کرلوں گا۔ آپ لوگ یہاں سے سیدھے اپنے گھر جاؤ اور فی الحال زرینہ سے ملنے کی کوشش نہ ہی کرو تو اچھا ہے۔''

''تو کیا آپ نے ہمیں صرف اسی لیے تھانے بلایا تھا؟'' منظور نے حیرت بھری نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں۔'' میں نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''یہ باتیں نہ تو پنلی والا میں زرینہ کی موجودگی میں ہوسکتی تھیں اور نہ ہی میں خوامخواہ ہندو چک میں آپ لوگوں کے گھر جا کر کچہری لگانا چاہتا تھا۔''

''تھانے دار جی!'' حمیدہ نے امید بھری نظر سے مجھے دیکھا۔ ''میرا بھائی تو مل جائے گا نا......؟''

''انشاء اللہ!'' میں نے تہِ دل سے کہا۔ ''میں بہت جلد مشتاق کو ڈھونڈ نکالوں گا۔'' وہ دونوں میاں بیوی مجھے دعائیں دیتے اور میرا شکریہ ادا کرتے ہوئے تھانے سے رخصت ہوگئے۔

تلاش کا کام سونپ دیا تھا اور مجھے امید تھی کہ وہ دونوں آوارہ گرد نوجوان سر دھڑ کی بازی لگا کر مشتاق کو ڈھونڈ نکالنے کی کوشش کریں گے لیکن اس کے علاوہ اور بھی بہت سے کام تھے۔ سب سے اہم تو زرینہ سے ملاقات تھی۔ گزشتہ روز حمیدہ کی گفتگو کے ایک حصے نے مجھے سخت تشویش میں مبتلا کر دیا تھا اور میں اسی سلسلے میں زرینہ سے پوچھ تاچھ کرنا چاہتا تھا۔

اس دن اچھی خاصی تیز دھوپ نکلی ہوئی تھی اور آسمان بالکل صاف شفاف دکھائی دیتا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا، ہمارا تانگا ایک لامحدود نیلی چھتری کے نیچے اپنی منزل کی جانب رواں دواں تھا۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ ہم جہاں جہاں جاتے ہیں آسمان بھی ہمارے ساتھ ساتھ سفر کرتا ہے بلکہ اس نیلی چھتری کے اندر سجے مظاہر قدرت مثلاً سورج، چاند اور ستارے بھی ہمارے ہم رکاب ہوتے ہیں۔ اس ''عجیب بات'' کو اگر ہم سائنسی بنیادوں پر سمجھنے بیٹھ جائیں تو روح پرور کیفیت کا خانہ خراب ہو کر رہ جائے گا۔ میں اس مزے کو کرکرا نہیں کرنا چاہوں گا لہٰذا ہم خاموشی سے آگے بڑھتے ہیں۔

سائنس نے جہاں انسان کی زندگی میں بے انتہا آسانیاں پیدا کر دی ہیں وہیں اسے قدرتی نظاروں اور ان کے اصل ذائقوں سے بہت دور کر دیا ہے۔ جب سائنس نے نئی نئی اور تیز لائٹس ایجاد نہیں کی تھیں اور زندگی چراغوں یا لالٹینوں کی رہین منت ہوا کرتی تھی تو میں نے خود اپنی آنکھوں سے پچاس پچپن سال کی عورت کو سوئی میں بغیر نظر کے چشمے کے دھاگا ڈالتے اور اسی سالہ بوڑھے کو کسی بھی عینک کے بغیر قرآن پاک پڑھتے ہوئے دیکھا ہے اور آج کل عالم یہ ہے کہ میرے محتاط اندازے کے مطابق پانچ سے دس سال کی عمر میں سو میں سے نوے بچوں کو نظر کا چشمہ لگ جاتا ہے اور اگر ضعفِ نظری کا یہی تناسب جاری رہا اور ہم تیز روشنیوں اور چمکدار اسکرینوں سے دور نہ ہوئے تو آنے والے بیس پچیس سال میں بچہ پیدائش کے موقع پر چشمہ ساتھ ہی لے کر پیدا ہوا کرے گا۔

ہمارا تانگا جب نہر کے قریب پہنچا تو میرے ذہن میں ایک خیال چمکا۔ نہر کی دوسری جانب پیلی والا تھا۔ میں نے سوچا، کیوں نہ زرینہ کے گھر کا رخ کرنے سے پہلے ایک ملاقات شاہ جی سے بھی کر لی جائے۔ شاہ جی کا آستانہ نہر کنارے واقع تھا۔ میں نے نہر کا پل عبور کرنے کے بعد تانگے کا رخ آستانے کی طرف موڑنے کا حکم دے دیا۔ جلد ہی ہم آستانے کے سامنے موجود تھے۔

آستانے پر ایک مجاور ٹائپ آدمی نے ہمارا استقبال کیا۔ میں اور کانسٹیبل یعقوب اس وقت سرکاری وردی میں تھے۔ اتنی صبح پولیس کی آمد کسی بھی آدمی کو چونکا دیتی ہے لہٰذا مجاور کی آنکھیں بھی حیرت اور الجھن کی غماز تھیں۔ وہ چپ چاپ سوالیہ نظر سے ہمیں دیکھے جا رہا تھا۔

میں نے آگے بڑھ کر تحکمانہ انداز میں کہا۔ ''میرا نام ملک صفدر حیات ہے۔ میں اس علاقے کا تھانے دار ہوں۔ شاہ جی کہاں ہیں؟''

''شاہ جی تو آرام کر رہے ہیں۔'' اس نے محتاط لہجے میں جواب دیا۔

میں نے آستانے کے اندر قدم رکھتے ہوئے کہا۔ ''یہ کون سا وقت ہے آرام کرنے کا بھئی؟''

''شاہ جی رات بھر ایک وظیفے میں مصروف تھے۔'' مجاور نے آستانے کے صحن میں، سایہ دار جگہ پر ہمارے لیے چارپائیاں بچھاتے ہوئے بتایا۔ ''فجر کی نماز کے بعد ہی سوئے ہیں۔ آپ تشریف رکھیں۔ میں شاہ جی کو آپ کی آمد کے بارے میں اطلاع دیتا ہوں۔''

مجاور نے آخر میں خاصی معقول بات کی تھی ورنہ میں اسے اگلا حکم یہ دینے والا تھا کہ جا کر شاہ جی کو فوراً بیدار کرو۔ میں ان سے ضروری باتیں کرنے آیا ہوں۔

میں اور کانسٹیبل آمنے سامنے چارپائیوں پر بیٹھ گئے اور مجاور آستانے کے اندرونی حصے کی جانب بڑھ گیا۔ لگ بھگ وہ پانچ منٹ کے بعد واپس آیا اور نہایت ہی ادب سے بتایا۔

''تھانے دار صاحب! شاہ جی نے آپ کو اندر کمرے میں بلایا ہے۔''

میں اٹھ کر کھڑا ہوا تو کانسٹیبل نے بھی میری تقلید کی۔ مجاور نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

''تھانے دار جی! شاہ جی نے صرف آپ کو اپنے پاس بلایا ہے۔''

میں نے کانسٹیبل یعقوب کو وہیں رکنے کو کہا اور خود مجاور کی راہنمائی میں آستانے کے اس حصے کی سمت بڑھ گیا جدھر قبلہ شاہ جی تشریف فرما تھے۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد میں شاہ جی کے کمرے میں موجود تھا۔

وہ ایک فرشی نشست والا نہایت ہی آرام دہ اور ہوادار کمرا تھا جس کی دو کھڑکیاں باہر، نہر کی جانب کھلتی تھیں۔ بعدازاں شاہ جی کا اصل نام عرفان شاہ معلوم ہوا۔

اس کی عمر پینتالیس اور پچاس کے درمیان رہی ہوگی۔ وہ گندمی رنگت کا مالک اور ہٹا کٹا اور موٹا تازہ انسان تھا۔ اس نے سر کے بالوں کو زلفوں کی صورت بڑھا رکھا تھا۔ اس کے چہرے پر مناسب سے سائز کی ڈاڑھی بھی نظر آ رہی تھی۔
رسمی علیک سلیک کے بعد شاہ جی نے اپنے مجاور کو ہمارے لیے ناشتے پانی کا بندوبست کرنے بھیج دیا اور مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔
''ملک صاحب! اتنی صبح آپ کس مشن پر ہیں......؟''
''شاہ جی! آپ صاحب بصیرت انسان ہیں۔'' میں نے مکمن کاری سے کام لیتے ہوئے کہا۔ ''ایک مسئلے نے پچھلے دو تین دن سے مجھے بری طرح الجھا رکھا ہے۔ اس مسئلے کا تعلق چونکہ چپلی والا سے ہے اس لیے سوچا کہ آپ سے بھی مدد لینا چاہیے۔''
''آپ کی مہربانی ہے جو آپ میرے پاس تشریف لائے۔'' وہ معتدل انداز میں بولا پھر پوچھا۔ ''مسئلہ کیا ہے......؟''
جب ہم آستانے پر پہنچے تھے تو مجاور نے بتایا تھا کہ شاہ جی رات بھر کسی چلے میں مصروف رہے تھے، اور اس وقت وہ آرام فرما رہے ہیں بلکہ یہاں تک کہا تھا کہ وہ فجر کی نماز کے بعد ہی سوئے ہیں لیکن شاہ جی انتہائی ہشاش بشاش اور فریش دکھائی دے رہے تھے۔ میں نے اس کے سوال کے جواب میں بتایا۔
''چپلی والا کا ایک دسنیک مشتاق چار پانچ دن سے لاپتا ہے۔ میں اس کی تلاش کے سلسلے میں آپ سے راہنمائی چاہتا ہوں۔''
''آپ زرینہ کے شوہر کی بات کر رہے ہیں نا؟'' شاہ جی کی آنکھوں میں مخصوص چمک پیدا ہوئی۔
''جی ہاں۔'' میں نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''مجھے اسی مشتاق کی تلاش ہے۔''
''میرا ایک مشورہ ہے ملک صاحب!'' وہ رازدارانہ انداز میں بولا۔ ''اگر مان لیں گے تو آپ کا کام آسان ہو جائے گا۔''
''جس مشورے سے کام آسان ہوتا ہو، میں بھلا اسے کیوں نہیں مانوں گا۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''آپ حکم کریں، کرنا کیا ہے؟''
''آپ بس، مشتاق کے لیے پریشان ہونا چھوڑ دیں۔'' وہ بہ دستور دھیمی آواز میں بولا۔
''میں سمجھا نہیں شاہ جی۔'' میں نے الجھن زدہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔ ''ایک بندہ چار پانچ دن سے گمشدہ ہے۔ میرے پاس اس کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرائی گئی ہے اور آپ فرما رہے ہیں، میں اس کے لیے پریشان ہونا چھوڑ دوں......''
''میں سمجھاتا ہوں۔ آپ غور سے میری بات سنیں......''
اسی دوران میں شاہ جی کا مجاور ناشتے کے سامان سے سجی ٹرے لے کر کمرے میں آ گیا۔ ہمارے درمیان چند لمحات کے لیے خاموشی آن کھڑی ہوئی۔ مجاور واپس جانے لگا تو میں نے اسے کہا۔
''وہ...... باہر میرا ایک آدمی بھی بیٹھا ہوا ہے۔''
مجاور خاصا کائیاں شخص تھا۔ فوراً سے پیشتر میری بات کی تہ میں اتر گیا۔ اس نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے جواب دیا۔
''جی...... سنتری بادشاہ کو بھی ناشتا دے دیا ہے۔''
مجاور کے جانے کے بعد شاہ جی دوبارہ مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔ ''ملک صاحب! مشتاق کا دماغی توازن درست نہیں...... خدانخواستہ آپ میری بات کا یہ مطلب نہ لیں کہ وہ کوئی پاگل ہے۔ دراصل، وہ کیا کہتے ہیں کہ اگر تھوڑے میں زیادہ ڈل جائے تو پھر معاملہ ایسا ہی ہو جاتا ہے۔ زرینہ سے شادی اس کو راس نہیں آئی۔ وہ زرینہ کے قابل نہیں تھا، اسی وجہ سے دن رات ان میں لڑائی جھگڑا بھی ہوتا رہتا تھا۔ اسی صورتِ حال نے مشتاق کو نفسیاتی مریض بنا کر رکھ دیا ہے۔ آپ اس کے بارے میں بالکل فکرمند نہ ہوں۔ وہ جیسے چپ چاپ گم ہوا ہے، ایسے ہی ایک دن خاموشی سے واپس بھی آ جائے گا۔''
شاہ جی کا مشورہ اگرچہ مجھے بچکانا سا لگا لیکن میں نے اپنے خیالات کا اظہار کرنے کے بجائے گہری سنجیدگی سے کہا۔
''شاہ جی! میں نے سنا ہے، مشتاق اور زرینہ پچھلے دنوں اپنی بے اولادی کا رونا رونے آپ کے آستانے پر بھی آئے تھے اور آپ نے اپنے کشف و کرامات سے ان کی بے اولادی کا سبب بھی معلوم کر لیا تھا؟''
''جی ملک صاحب!'' وہ اپنی تنومند اور چربیلی گردن کو اثباتی جنبش دیتے ہوئے بولا۔ ''ہم تو یہاں پر پریشان حال لوگوں کے مسائل حل کرنے کے لیے ہی بیٹھے ہیں۔ جو ہماری بات پر عمل کرتا ہے، وہ فائدہ اٹھاتا ہے اور جو مشتاق کی طرح ہماری باتوں کو سنجیدگی سے نہیں لیتا، وہ ساری زندگی نامراد ہی پھرتا ہے۔''
میں نے ساری معلومات حاصل ہونے کے باوجود

بھی شاہ جی سے پوچھ لیا۔ ''شاہ جی! آپ کے علم کے مطابق ان کی بے اولادی کا سبب کیا ہے؟''

''دوطرفہ سبب ہے ملک صاحب۔'' وہ ایک طویل سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔ ''آپ ساتھ ساتھ ناشتا بھی جاری رکھیں، میں بتاتا ہوں۔''

میں نے رکے ہوئے ہاتھ کو دوبارہ متحرک کردیا اور سوالیہ نظر سے شاہ جی کو دیکھنے لگا۔ وہ کھنکھار کر گلا صاف کرتے ہوئے بولا۔

''ایک تو کسی ظالم شخص نے زرینہ پر اولاد کے سلسلے میں بڑی سخت بندش کرائی ہوئی ہے اور دوسرے مشتاق کے اندر ایک خاص نوعیت کی کمزوری پائی جاتی ہے۔''

''آپ نے کیسے اندازہ لگالیا کہ مشتاق کے اندر کوئی مخصوص کمزوری موجود ہے؟'' میں نے شاہ جی کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے استفسار کیا۔

''ملک صاحب! آپ ایک جہاں دیدہ، تجربہ کار اور سیانے بیانے آدمی ہیں اس لیے میں آپ سے کھل کر بات کرسکتا ہوں۔'' وہ بڑے تحمل سے بولا۔ ''دراصل، جب یہ دونوں میرے پاس اپنی بے اولادی کا کیس لے کر آئے تھے تو میں نے ان سے الگ الگ ملاقات کی تھی۔ مشتاق نے اپنی بے بسی اور بے چارگی کا رونا روتے ہوئے مجھے بتایا تھا کہ زرینہ اسے اپنے قریب نہیں جانے دیتی۔ جب میں نے زرینہ کا انٹرویو کیا اور مشتاق کی فریاد کے حوالے سے سوال پوچھا تو اس کا چہرہ یکدم سرخ ہوگیا پھر وہ نفرت بھرے لہجے میں بولی۔ شاہ جی! وہ اس قابل نہیں کہ میں اسے اپنی تنہائی کا ساتھی بنا سکوں......'' شاہ جی نے یہاں تک بتانے کے بعد لمحاتی توقف کیا پھر سوچتی ہوئی نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے اپنی بات مکمل کردی۔

''زرینہ نے جب مشتاق کی مخصوص ''نالائقی'' کا انکشاف کیا تو سارا معاملہ میری سمجھ میں آگیا اور ملک صاحب...... یہ کوئی ایسا گمبھیر معاملہ بھی نہیں تھا۔ اگر وہ لوگ میرے بتائے ہوئے علاج کے لیے راضی ہوجاتے تو ان کا مسئلہ ایک دو ماہ میں حل ہوسکتا تھا لیکن وہی بات ہے نا، میں لٹھ لے کر کسی کے پیچھے تو نہیں جاسکتا نا......''

''انہوں نے آپ کے علاج سے انکار کیوں کیا تھا؟'' میں نے ایک نہایت ہی اہم سوال کیا۔

''زرینہ تو پوری طرح تیار تھی مگر مشتاق اچانک بھڑک اٹھا تھا۔'' شاہ جی نے بتایا۔ ''میری تشخیص نے اس کی عزتِ نفس پر کاری چوٹ لگائی تھی۔ وہ کسی بھی طور اپنی ''خرابی'' کو ماننے کے لیے تیار نہیں تھا حالانکہ یہ میری تشخیص نہیں تھی، یہ تو اس کی بیوی کا فتویٰ تھا۔ ملک صاحب! آپ جانتے ہیں، ازدواجی معاملات میں عورت کا ''فتویٰ'' عدالت کی نظر میں بھی بہت اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔''

''جی ہاں ..... آپ بالکل درست فرما رہے ہیں۔'' میں نے تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ''تو اس طرح ان کے علاج معالجے کا معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا۔''

''ملک صاحب! جس دن مشتاق غائب ہوا ہے نا..... اس کے اگلے دن زرینہ میرے پاس آئی تھی۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ ''اس نے مجھ سے کہا کہ میں مشتاق کی واپسی کے لیے کوئی عمل کروں۔ میں نے جواب دیا۔ جو شخص مجھے ہی نہیں مانتا، اس پر میرا عمل کیا اثر کرے گا۔ وہ منت کرنے لگی کہ میں کچھ نہ کچھ ضرور کروں۔ میں نے اسے اس تسلی کے ساتھ آستانے سے رخصت کردیا کہ ٹھیک ہے، میں اس کے شوہر کے حق میں دعا کروں گا۔ وہ دن اور آج کا دن، پھر وہ ادھر نہیں آئی۔''

شاہ جی کی بات نے میرے ذہن میں ایک انوکھے تجسس کو بیدار کردیا۔ میں نے زرینہ سے ملاقات کے دوران میں اس سے ہر زاویے کا سوال کیا تھا اور اس نے میرے ہر سوال کا جواب بھی دیا تھا لیکن اس بات کا اس نے کہیں ذکر نہیں کیا تھا کہ وہ مشتاق کی گمشدگی کے دوسرے روز شاہ جی کے آستانے پر گئی تھی۔ اگر اس نے یہ بات دانستہ مجھ سے چھپائی تھی تو پھر کہیں نہ کہیں دال میں کچھ کالا تھا۔ مجھے زرینہ کے دل کا احوال جاننے کے لیے کچھ نفسیاتی ہتھکنڈے استعمال کرنے کی ضرورت تھی اور میں نے اسی لمحے فیصلہ کرلیا تھا کہ میں ایسا ضرور کروں گا۔

''شاہ جی! مجھے اجازت دیں۔'' میں نے کہا۔ ''آپ نے قانون کے ساتھ جو تعاون کیا ہے، اس کے لیے میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ مجھے امید ہے، آپ کو جیسے ہی مشتاق کے حوالے سے کوئی بات پتا چلے گی، آپ مجھے ضرور بتائیں گے۔''

''ملک صاحب! کیوں شرمندہ کرتے ہیں۔'' وہ بڑے عجز وانکسار کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔ ''میں آئندہ بھی آپ سے تعاون کا عمل جاری رکھوں گا۔ آپ پلی والا کی طرف سے بالکل بے فکر ہوجائیں۔''

میں نے ایک بار پھر اس کا شکریہ ادا کیا اور آستانے سے باہر نکل آیا۔

جب ہم آستانے کے باہر کھڑے تانگے میں بیٹھ چکے تو

میں نے کوچوان سے کہا۔ ''واپس تھانے کی طرف چلنا ہے۔''

کوچوان نے کوئی سوال کیے بغیر تانگے کو واپسی کے راستے پر ڈال دیا۔ جب ہم نے نہر اپر چناب کا پل عبور کرلیا تو کانسٹیبل یعقوب نے مجھ سے پوچھ لیا۔

''ملک صاحب! آپ نے بتایا تھا کہ زرینہ کے گھر جانا ہے مگر آپ خلافِ پروگرام آستانے پر آگئے اور اب واپس تھانے جارہے ہیں۔ یہ کیا ماجرا ہے؟''

''میں نے تم سے کچھ بھی غلط نہیں کہا تھا یعقوب۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''ہم زرینہ سے ملے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔'' پھر میں نے کوچوان سے مخاطب ہوتے ہوئے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

''تانگے کو واپس پپلی والا کی سمت موڑ لو اور نہر کے پل سے گزرنے کے بعد دائیں بائیں دیکھے بغیر تیز رفتاری سے پپلی والا کے اندر داخل ہوجانا ہے۔''

کانسٹیبل ہونقوں کی طرح منہ کھول کر مجھے دیکھنے لگا۔ میں نے اس کی حیرت کو دور کرنا ضروری نہ سمجھا اور اردگرد کے قدرتی نظاروں میں کھو گیا۔

میں نے یہ احتیاطی تدبیر صرف شاہ جی کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے اختیار کی تھی۔ مجھے اس بات کا خدشہ تھا کہ وہ اپنے مجاور کو میرے تعاقب میں روانہ کرسکتا ہے تاکہ یہ پتا چلایا جاسکے کہ میں آستانے سے نکل کر واپس تھانے کی طرف جاتا ہوں یا زرینہ سے ملنے پپلی والا کی جانب۔ مجھے یقین تھا کہ اگر مجاور نے مجھے واچ کرنے کی کوشش کی ہوگی تو میں اپنے مقصد میں کامیاب رہا تھا۔

☆☆☆

میں زرینہ کے گھر کے اندر اس کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ کانسٹیبل یعقوب کو میں نے باہر تانگے ہی میں چھوڑ دیا تھا۔ اس وقت میرے ذہن میں چند سنسنی خیز پوائنٹس آپس میں دنگل کررہے تھے اور مجھے کسی نتیجے تک رسائی حاصل کیے بغیر یہاں سے واپس نہیں جانا تھا۔

پوائنٹ نمبر ایک۔ شاہ جی کے مطابق مشتاق کی مخصوص کمزوری کے بارے میں خود زرینہ نے انہیں بتایا تھا مگر زرینہ نے مجھ سے ایسا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔

پوائنٹ نمبر دو۔ شاہ جی کے مطابق مشتاق کی گمشدگی کے دوسرے دن یعنی گیارہ اکتوبر کو زرینہ آستانے پر پہنچی تھی اور مشتاق کی واپسی کے لیے ان سے کسی روحانی عمل کی درخواست کی تھی لیکن حیرت انگیز بات یہ تھی کہ طویل گفتگو کے باوجود بھی زرینہ نے مجھے اس بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔

پوائنٹ نمبر تین۔ حمیدہ کی معلومات کے مطابق شاہ جی ایک ہوس پرست انسان تھا اور حمیدہ کو گہری تشویش تھی کہ یہ الو کی پٹھی زرینہ کوئی نیا چاند نہ چڑھالے۔

میں ابھی تھوڑی دیر پہلے شاہ جی سے ملاقات کرکے آرہا تھا۔ گفتگو کے دوران میں، میں خصوصی طور پر اس کی آنکھوں اور چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیتا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں واقعی ایک مخصوص کشش پائی جاتی تھی اور اسے اپنے تاثرات پر بھی کمانڈ تھی۔ اس وقت میرے ذہن میں جو کھچڑی پک رہی تھی اس کی ''تیاری'' زرینہ کے تعاون کے بغیر ممکن نہیں تھی۔

رسمی علیک سلیک کے بعد زرینہ نے بڑی تشویش سے پوچھا۔ ''تھانے دار جی۔ مشتاق کا کچھ پتا چلا؟''

''میں نے اپنی تلاش کے گھوڑے چاروں طرف دوڑا رکھے ہیں۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''وہ جہاں کہیں ہوگا، میں اسے ڈھونڈ نکالوں گا۔ بس مجھے اس سلسلے میں تمہارے تعاون کی ضرورت ہے۔''

''تو جی میں آپ کے ساتھ پورا تعاون کررہی ہوں۔'' وہ بڑے اعتماد سے بولی۔ ''آپ نے جو پوچھا، میں نے صاف صاف بتادیا اور بھی جو پوچھیں گے، بتاؤں گی۔''

''دیکھو زرینہ! بات دراصل یہ ہے کہ ہم پولیس والے ہر شے پر پہلی نظر شک ہی کی ڈالتے ہیں۔'' میں نے اس کے اوپر نفسیاتی جال پھینکتے ہوئے کہا۔ ''اور جب تک ہماری تسلی نہیں ہوجاتی، ہم آگے نہیں بڑھتے اس لیے اگر تمہیں میرا کوئی سوال عجیب یا الٹا لگے، تم اس کا برا نہیں ماننا۔ میں تمہارا سچا ہمدرد ہوں اور ہر حال میں تمہارا فائدہ چاہتا ہوں۔ میں نے تمہاری خاطر ہی حمیدہ کو تھانے بلا کر اس کی وہ بے عزتی کی ہے تاکہ وہ اب کبھی پپلی والا کا رخ نہیں کرے گی۔''

میرے آخری الفاظ نے زرینہ کو گہرے سکون اور طمانیت سے سرفراز کیا۔ وہ یک دم خوش ہوگئی اور مسرت سے لبریز آواز میں بولی۔

''تھانے دار جی! میں آپ پر اندھا اعتماد کرتی ہوں۔ آپ جو بھی پوچھنا چاہیں، پوچھیں۔ میں ضرور بتاؤں گی۔''

میں نے اسے یہ نہیں بتایا کہ میں ابھی ابھی شاہ جی سے ملاقات کرکے آرہا ہوں۔ وہ منتظر سوالیہ نظر سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''مشتاق کی مخصوص کمزوری کے بارے میں تم نے

شاہ جی سے کوئی شکایت کی تھی یا انہوں نے حساب کتاب لگا کر خود ہی پتا چلا لیا تھا؟''

''جی، میں نے انہیں کچھ نہیں بتایا تھا۔'' وہ بڑے اعتماد سے بولی۔ ''شاہ جی بہت پہنچے ہوئے بزرگ ہیں۔ انہوں نے ہم دونوں کی خرابیوں کا اندازہ خود ہی لگا لیا تھا۔''

زرینہ کے اس جواب نے شاہ جی کا جھوٹ واضح کر دیا تھا۔ یہ بات میں اپنے تجربے کی روشنی میں بڑے وثوق سے کہہ سکتا تھا کہ زرینہ اس وقت مجھ سے دروغ گوئی نہیں کر رہی تھی۔

میں نے سنسنی خیز تحقیق کا عمل جاری رکھتے ہوئے پوچھا۔ ''تم لوگوں نے ایک ساتھ شاہ جی سے ملاقات کی تھی یا الگ الگ؟''

''ہم ایک ساتھ ہی ان کے حجرے میں گئے تھے۔'' اس نے بتایا۔ ''اور انہوں نے نہیں، ہمارے سامنے حساب لگا کر ہمارے مسائل کے بارے میں بتایا تھا۔''

شاہ جی کا ایک اور جھوٹ کھل گیا تھا۔ اس معاملے میں میری دلچسپی فزوں تر ہوگئی۔ جب کوئی انسان جھوٹ بولتا ہے تو اس کے پیچھے اس کا کوئی خاص مقصد کارفرما ہوتا ہے۔ یا تو وہ اپنے کسی جرم کو چھپانے کی کوشش کر رہا ہوتا ہے یا پھر وہ اپنے کسی جرم کی منصوبہ بندی کرتے ہوئے دوسروں کو گمراہ کرنے کا خواہاں ہوتا ہے۔ اس کا مطلب تھا، شاہ جی زرینہ کے حوالے سے کسی سنگین چکر میں پڑا ہوا تھا۔ میرے اگلے سوال نے شاہ جی کے شیطانی منصوبے کی بلی کو تھیلے میں سے باہر آنے پر مجبور کر دیا۔

''مجھے پتا چلا ہے......'' میں نے سرسری انداز میں زرینہ سے پوچھا۔ ''مشتاق کی گمشدگی کے اگلے روز تم شاہ جی سے ملنے ان کے آستانے پر گئی تھیں؟''

''جی ہاں۔'' وہ بڑی معصومیت سے بولی۔ ''میں نے ان سے مشتاق کی واپسی کے لیے کوئی عمل کرنے کی درخواست کی تھی۔ انہوں نے مجھے تسلی دی کہ وہ بڑا زبردست عمل کریں گے جس سے چند ہی روز میں مشتاق واپس آ جائے گا......'' وہ لمحاتی توقف کر کے تھوڑی جزبز ہوئی پھر بتایا۔

''اس کے ساتھ ہی شاہ جی نے مجھے ایک مشورہ بھی دیا تھا۔''

''کیسا مشورہ؟'' میں نے اپنے تاثرات کو قابو میں رکھتے ہوئے پوچھا۔

''انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ مشتاق تو اتفاق سے کہیں غائب ہو گیا ہے۔'' وہ بڑی سادگی سے بتانے لگی۔ ''یہ اچھا موقع ہے۔ اگر میں شاہ جی سے اپنا سات دن کا علاج شروع کرا دوں تو وہ میری بندش کی کاٹ کر دیں گے۔ مشتاق جب واپس آئے گا تو اس کے بارے میں بھی سوچ لیا جائے گا۔ انہوں نے مجھ سے یہ بھی کہا تھا کہ وہ مجھے مشتاق کے لیے چند تعویذ بنا کر دیں گے۔ میں وہ تعویذ کھانے میں ملا کر اگر مشتاق کو کھلا دوں گی تو اس کی مخصوص کمزوری جاتی رہے گی۔''

میں نے زرینہ کے دل میں اترتے ہوئے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''شاہ جی نے مشورہ تو بالکل ٹھیک دیا تھا۔ کیا تم نے ان کی بات مان لی؟''

میں اس شیطان صفت اور ہوس پرست شاہ جی کی چال کو بڑی وضاحت کے ساتھ سمجھ گیا تھا لیکن زرینہ اس کھیل کا ایک اہم مہرہ تھی لہٰذا اسے بڑی احتیاط کے ساتھ ہینڈل کرنے کی ضرورت تھی۔ اسے کسی بھی قیمت پر میرے عزائم کی خبر نہیں ہونا چاہیے تھی۔ مجھے یقین ہو چلا تھا کہ مشتاق کی گمشدگی میں بھی اسی شاہ جی کا ہاتھ ہوگا۔ شاہ جی کو چھاپنے کے لیے بڑی محتاط اور شفاف منصوبہ بندی کی ضرورت تھی اور یہ اسی صورت ممکن تھا جب تک زرینہ مجھ پر اعتماد کرتی رہے۔ میرے سوال کے جواب میں اس نے بتایا۔

''تھانے دار جی! آپ کی طرح مجھے بھی شاہ جی کی بات بہت اچھی لگی تھی اس لیے میں نے اگلے روز ہی سے اپنا علاج شروع کرا دیا تھا۔''

''تیرا خانہ خراب۔ تو واقعی الو کی پٹھی ہے۔'' میں نے دل میں کہا پھر اپنے لہجے میں سنجیدگی کو برقرار رکھتے ہوئے زرینہ سے پوچھا۔ ''تمہیں شاہ جی سے علاج کراتے ہوئے کتنے دن ہو گئے ہیں؟''

''تین دن ہو گئے ہیں جی۔'' اس نے بتایا۔ ''آج چوتھی مرتبہ جاؤں گی۔''

''شاباش!'' میں نے ستائشی انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ ''یہ تم نے کیا ہے عقل مندی کا کام۔ سمجھو، آدھا علاج ہو گیا اور آدھا باقی ہے۔''

''جی۔ یہ پورے سات دن کا علاج ہے۔''

''وہ تمہارے اوپر کس قسم کا عمل کرتے ہیں؟'' میں نے کرید کا عمل جاری رکھتے ہوئے سوال کیا۔

''جب میں ان کے حجرے میں جاتی ہوں تو سب سے پہلے وہ مجھے ایک شربت پلاتے ہیں۔'' وہ وضاحت

کرتے ہوئے بولی۔ ''پھر وہ مجھے چت لیٹنے کا حکم دیتے ہیں اور وہ میرے پاس ہی بیٹھ کر پڑھائی شروع کر دیتے ہیں۔ تھوڑی ہی دیر میں اس پڑھائی کے اثر سے میں خود کو ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگتی ہوں۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ میں بادلوں کے اوپر اڑ رہی ہوں۔ اسی کیفیت میں مجھے نیند آجاتی ہے اور میں سو جاتی ہوں۔''

احمق عورت نشہ آور شربت کے اثرات کو شاہ جی کی پڑھائی کا اثر سمجھ رہی تھی۔ میں نے اپنی ذہنی کیفیت کو اس پر عیاں نہیں ہونے دیا اور بہ دستور گہری سنجیدگی سے پوچھا۔

''اس کے بعد کیا ہوتا ہے؟''

''پتا نہیں، میں کتنی دیر نیند کی حالت میں رہتی ہوں۔ پھر جب شاہ جی مجھے جھنجوڑ کر جگاتے ہیں تو آنکھ کھلتی ہے۔'' وہ بتانے لگی۔ ''اس کے بعد شاہ جی مجھ پر دم کرتے ہیں اور کہتے ہیں، میں گھر جا کر آرام سے سو جاؤں اور جب تک یہ عمل مکمل نہیں ہو جاتا، اس کے بارے میں کسی سے ذکر نہ کروں ورنہ عمل کا اثر زائل ہو جائے گا......'' پھر وہ فکرمندی سے مجھے دیکھنے لگی اور بولی۔ ''تھانے دار جی! میں نے آپ کو سب کچھ بتا دیا ہے۔ اس سے کوئی گڑبڑ تو نہیں ہو جائے گی؟''

''ہرگز نہیں!'' میں نے اس کی تشویش دور کرنے کے لیے قطعی انداز میں کہا۔ ''شاہ جی نے ان لوگوں کو بتانے سے منع کیا ہے جو تمہارے دشمن ہیں جیسے کہ حمیدہ۔ میں تو تمہارا سچا خیر خواہ ہوں اور اس بات کا شاہ جی سے بھی ذکر نہیں کرتا کہ میں تم سے ملا تھا اور تم نے مجھے ان کے عمل کے بارے میں بتایا ہے۔ جو بات پردے میں رہے اس میں سبھی کا بھلا ہوتا ہے۔ تم میری بات سمجھ رہی ہو نا؟''

ویسے تو حمیدہ کے نام پر ہی اس کی آنکھوں اور چہرے پر اطمینان جھلکنے لگا تھا۔ میرے مشورے نے اسے اور بھی مطمئن کر دیا۔ بڑی فرماں برداری سے گردن ہلاتے ہوئے بولی۔

''جی...... اچھی طرح سمجھ رہی ہوں۔''

''تم اس مخصوص عمل کے لیے کتنے بجے شاہ جی کے آستانے پر جاتی ہو؟'' میں نے سوالات کے سلسلے کو سمیٹتے ہوئے پوچھا۔

میرا مقصد تقریباً پورا ہو چکا تھا۔ بس، مجھے چند اہم پوائنٹس درکار تھے۔ میں نے آنے والی رات شاہ جی کے آستانے پر دھاوا بولنے کا منصوبہ بنا لیا تھا۔ میں اسے رنگے ہاتھوں گرفت میں لانا چاہتا تھا۔

زرینہ نے میرے استفسار کے جواب میں بتایا۔

''مغرب اور عشا کا درمیانی وقت مجھے ان کے حجرے میں گزارنا ہوتا ہے اور ہو سکتا ہے، آج سے زیادہ وقت لگ جائے......''

''کیوں...... آج ایسی کیا خاص بات ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''شاہ جی نے کہا ہے کہ آخری چار دن کا عمل کچھ طویل ہوگا۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ ''ان کے مطابق انہوں نے میری بندش کی کاٹ تو کر دی ہے۔ اب وہ مجھ پر ایک ایسا عمل کریں گے جس کی وجہ سے زندگی میں کوئی مجھ پر کوئی بندش یا کسی بھی قسم کا کالا عمل نہیں کر سکے گا۔''

میں سمجھ گیا کہ زرینہ اب تک شاہ جی کے شر سے محفوظ تھی لیکن آج کے بعد وہ خبیث شخص کسی خاص عمل کی آڑ میں چاروں راتیں زرینہ کو اپنی ہوس کا نشانہ بنائے گا۔ میں زرینہ کی بے وقوفی اور احمقانہ سادگی سے اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ یہ اس کلاکار کے سامنے ذرا سی بھی مزاحمت نہیں کر سکے گی۔

میں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ بروقت حالات کی باگ میرے ہاتھ میں آگئی تھی۔ میں کسی بھی قیمت پر شاہ جی کو اس کے شیطانی عزائم میں کامیاب نہیں ہونے دیتا۔ آج کی رات اس کی زندگی کی سیاہ ترین رات ثابت ہونے والی تھی۔ اب اس امر میں بھی کسی شک وشبے کی گنجائش باقی نہیں رہی تھی کہ مشتاق کو راستے کا کانٹا سمجھتے ہوئے اسی نے ہٹایا ہوگا۔ اس سے کچھ بھی بعید نہیں تھا۔

''جب تم آستانے پر جاتی ہو تو وہاں اور کتنے افراد موجود ہوتے ہیں؟'' میں نے ایک اہم سوال کیا۔

''صرف شاہ جی کا خدمت گار۔'' اس نے جواب دیا۔

زرینہ کا اشارہ مجاور کی طرف تھا۔

میں نے سوالات کے سلسلے کو موقوف کرتے ہوئے زرینہ سے پوچھا۔ ''کیا آج بھی تم مغرب کے وقت ہی آستانے پر جاؤ گی؟''

''جی ہاں۔'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''جانے کا ٹائم تو وہی ہے مگر واپسی میں تھوڑی دیر ہو جائے گی۔''

''ٹھیک ہے، تم اطمینان سے اپنا علاج مکمل کرو۔'' میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ''میں مشتاق کو ڈھونڈنے کی کوشش کرتا ہوں۔''

وہ فکرمندی سے مجھے دیکھتے ہوئے بولی۔ ''تھانے دار جی! آپ میری ایک بات مانیں گے؟''

سوگوار اور فکرمند حسن دو آتشہ ہوتا ہے۔ میں نے زرینہ سے نگاہ چراتے ہوئے کہا۔ ''ہاں ہاں...... ضرور

مانوں گا۔‘‘

’’اگر میرا علاج ختم ہونے سے پہلے مشتاق واپس آجائے تو آپ اسے اس بارے میں کچھ نہیں بتائیں گے۔‘‘ وہ بڑی امید سے بولی۔ ’’اور علاج کے بعد بھی نہیں۔‘‘

’’میرے ہوتے ہوئے تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔‘‘ میں نے تسلی بھرے لہجے میں کہا۔ ’’میں اس علاقے کا تھانے دار ہوں۔ میں مشتاق کو ایسا سیدھا کردوں گا کہ بعد میں وہ خوشی خوشی اپنا علاج کرانے پر بھی تیار ہوجائے گا۔‘‘

اس کے چہرے پر اطمینان جھلکنے لگا۔

’’لیکن تمہیں بھی مجھ سے ایک وعدہ کرنا ہوگا۔‘‘ میں نے کہا۔

’’میں سو وعدے کروں گی۔‘‘ وہ جلدی سے بولی۔ ’’آپ حکم تو کریں۔‘‘

’’کسی کو ہماری اس ملاقات اور ان باتوں کا پتا نہیں چلنا چاہیے۔‘‘ میں نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

وہ بڑے اعتماد سے بولی۔ ’’نہیں چلے گا پتا۔‘‘

’’شاہ جی کو بھی نہیں......!‘‘

’’میں ان کو بھی کچھ نہیں بتاؤں گی۔‘‘

’’شاباش!‘‘

☆☆☆

زرینہ سے حاصل شدہ معلومات اتنی جامع اور سنسنی خیز تھیں کہ میں نے تھانے پہنچ کر ہنگامی بنیادوں پر ایک مشن کی تیاری کی جس میں خوشی محمد اور یعقوب کے علاوہ دو اور مستعد کانسٹیبل بھی شامل تھے۔ میرا ارادہ شام شاہ جی کے آستانے پر شب خون مارنے کا ارادہ تھا۔ ادھر اندھیرا ہوتا، ادھر ہم کارروائی شروع کردیتے۔ میں نے اپنی ٹیم کو اس معاملے کی اونچ نیچ سے اچھی طرح آگاہ کردیا تھا۔

شام سے تھوڑی دیر پہلے ہم پانچوں ایک تانگے پر سوار ہوکر پکی والا پہنچ گئے۔ تانگے کو ہم نے آستانے سے تھوڑے فاصلے پر درختوں کے نیچے اس زاویے پر کھڑا کردیا جہاں سے میں آستانے کے گیٹ کو بہ آسانی دیکھ سکتا تھا مگر اتنے فاصلے سے کوئی ہمیں نہیں دیکھ سکتا تھا۔ چاروں چاق و چوبند نوجوان میرے اشارے کے منتظر تھے۔

میں اس مقام پر ایک خاص مقصد کے تحت رکا تھا۔ جلد ہی میرا وہ مقصد پورا ہوگیا۔ میں نے ایک عورت کو آستانے کے گیٹ کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا۔ اس وقت مغرب کی اذان ہورہی تھی۔ بھاری چادر میں لپٹی ہوئی اس عورت کو اتنے فاصلے سے پہچاننا تو ممکن نہیں تھا تاہم مجھے یقین تھا کہ وہ زرینہ کے سوا اور کوئی نہیں ہوگی۔

’’یعقوب...... خوشی محمد!‘‘ میں نے کانسٹیبلز کی طرف دیکھتے ہوئے تحکمانہ انداز میں کہا۔ ’’تم دونوں نہایت ہی احتیاط کے ساتھ آستانے کی پہلوؤں والی دیواروں کی طرف چلے جاؤ۔ میں گیٹ پر مجاور کو باتوں میں لگاؤں گا۔ اس دوران میں تم دیوار پھاند کر اندر پہنچ جاؤ گے اور تم دونوں......‘‘ میں نے دیگر دو کانسٹیبلز کی سمت مڑتے ہوئے کہا۔ ’’تم ادھر ہی رک کر آستانے کے گیٹ پر نگاہ رکھو گے اور جیسے ہی کوئی غیر معمولی صورت حال نظر آئے تم فوراً حرکت میں آجاؤ گے۔‘‘

سب نے میری ہدایت پر عمل کرنے کا یقین دلایا۔ اس گفتگو کے دوران میں میری نظر مسلسل آستانے کے گیٹ پر لگی ہوئی تھی۔ جیسے ہی زرینہ گیٹ سے اندر داخل ہوئی، مجاور نے نگاہ گھما کر گرد و پیش کا جائزہ لیا اور گیٹ بند کردیا۔

’’موو......!‘‘ میں نے یعقوب اور خوشی محمد کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ ’’میں تمہیں تفصیل سے سمجھا چکا ہوں کہ اندر پہنچنے کے بعد تم نے کہاں کہاں پوزیشن لینا ہے۔‘‘

انہوں نے اثبات میں گردن ہلائی اور تاریکی کا حصہ بن گئے۔ میں نپے تلے قدموں کے ساتھ گیٹ کی جانب بڑھ گیا۔ میں دانستہ تھوڑا ٹائم دینا چاہتا تھا تاکہ شاہ جی اپنے عمل...... شیطانی عمل کا آغاز کرسکے اور میں اسے رنگے ہاتھوں اپنے دام میں لاسکوں۔

اس وقت میں اور میرے چاروں ساتھی سادہ لباس میں تھے۔ میں ست روی سے چلتے ہوئے گیٹ تک پہنچا اور دستک دینے کے بعد ایک طرف کھڑا ہوگیا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد گیٹ نیم وا ہوا اور وہاں مجاور کا چہرہ دکھائی دیا۔

’’کون ہے......؟‘‘ اس نے تاریکی میں میری سمت دیکھتے ہوئے اکھڑپن سے استفسار کیا۔

’’میں ہوں، صفدر حیات۔‘‘ میں نے اپنی جگہ کھڑے کھڑے بہ آوازِ بلند جواب دیا تاکہ یعقوب اور خوشی محمد تک میری آواز پہنچ جائے۔

’’کون صفدر حیات۔‘‘ مجاور میری طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ ’’اس وقت کیوں آئے ہو، کیا کام ہے......؟‘‘

’’کام بہت ضروری ہے۔‘‘ میں نے بہ دستور اونچی آواز میں کہا۔ ’’ورنہ رات میں کبھی نہ آتا۔‘‘

اس بات چیت کے دوران میں مجاور میرے قریب پہنچ گیا تھا۔ اگرچہ میں سول ڈریس میں تھا تاہم اس نے مجھے

پہچاننے میں ذرا غلطی نہیں کی، سرسراتی ہوئی آواز میں بولا۔

''تھانے دار صاحب! آپ......؟''

''ہاں۔ مجھے شاہ جی سے ایک بہت ہی ضروری کام ہے۔'' میں نے گیٹ کی سمت قدم بڑھاتے ہوئے بتایا۔ ''ابھی اور اسی وقت ان سے ملنا ہے۔''

''ابھی تو شاہ جی سے ملاقات نہیں ہوسکتی۔'' وہ میری راہ میں حائل ہوتے ہوئے بولا۔

''کیوں......ابھی کیا ہے؟''

''شاہ جی کہیں باہر گئے ہیں۔'' اس نے فوری طور پر ایک بہانہ گھڑا۔ ''وہ رات کو دیر...... یا پھر صبح واپس آئیں گے۔''

''کوئی بات نہیں، میں ان کے حجرے میں بیٹھ کر انتظار کرلوں گا۔'' میں اپنی ہی دھن میں آستانے کے اندر پہنچ کر آگے بڑھنے لگا۔

مجاور میرے سامنے تن کر کھڑا ہوگیا پھر بڑے مضبوط لہجے میں بولا۔ ''آپ شاہ جی کے کمرے میں نہیں جاسکتے۔''

میں مجاور کے تیور کو بھانپ چکا تھا لہٰذا میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''کمرے میں کیوں نہیں جاسکتا......کیا وہاں تمہاری بہن آرام کررہی ہے؟''

بات ختم کرتے ہی میں نے اپنا سروس ریوالور نکال لیا۔

اسی لمحے تاریکی میں سے چاق وچوبند یعقوب برآمد ہوا اور اس نے مجاور کو جن جپھا ڈال کر پہلے ہوا میں بلند کیا اور پھر کسی دھوبی کے مانند زمین پر پٹخ دیا۔ میں مجاور کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد شاہ جی کے حجرے کی سمت بڑھ گیا۔ زرینہ کو وہاں پہنچے پندرہ سے بیس منٹ گزر چکے تھے۔ شاہ جی کو چھاپنے کا انتہائی مناسب موقع تھا۔ اگر میں دیر کر دیتا تو وہ شیطان صفت، ننگِ انسانیت زرینہ کو ''چھاپ'' ڈالتا۔

خوشی محمد میری ہدایت کے مطابق حجرے کے دروازے کے سامنے موجود تھا۔ خوشی محمد اور یعقوب دونوں تنومند، دراز قامت اور لڑائی بھڑائی کے ماہر تھے۔ یعقوب نے بڑی کامیابی سے مجاور کو سنبھال لیا تھا۔ اب خوشی محمد کے کارکردگی دکھانے کی باری تھی۔

''ملک صاحب! دروازہ توڑنا ہے یا......؟'' وہ دھیمے مگر خطرناک لہجے میں بولا۔

''دروازہ میں کھلوا لوں گا۔'' میں نے سرگوشیانہ انداز میں کہا۔ ''توڑ پھوڑ کا شوق تم شاہ جی کے ساتھ پورا کرلینا۔''

بات ختم کرتے ہی میں نے حجرے کے دروازے پر دستک دی اور مجاور کی آواز نکالتے ہوئے پکارا۔ ''شاہ جی......شاہ جی!''

جیسے ہی میری آواز اندر پہنچی، حجرے کے دروازے کی سمت چلتے ہوئے قدموں کی آواز ابھری پھر اگلے ہی لمحے دروازے کی کنڈی گرنے کی مخصوص آواز سنائی دی۔ میں ریڈ الرٹ ہوگیا۔ دروازہ ذرا سا کھلا اور وہاں شاہ جی کا منحوس چہرہ نمودار ہوا۔

''کک......کیا ہوا......!''

شاہ جی کے استفسار کو بریک لگ گئے۔ ادھر اس نے ''کک'' کہا، ادھر میں نے ایک دھواں دھار لات دروازے کے اس مقام پر ماری جہاں شاہ کی خبیث صورت دکھائی دی تھی۔ میری ٹائمنگ اتنی پرفیکٹ تھی کہ وہ ''کک...... کیا ہوا......'' کے آگے ایک لفظ بھی نہیں بول سکا تھا۔

میرے ''ایکشن'' کے جواب میں ایک زوردار دھماکا ہوا جس کی آواز پورے آستانے میں سنائی دی تھی۔ میری لات کھا کر شاہ جی کسی اسپرنگ کی طرح پیچھے کی جانب اچھلا پھر کسی ٹوٹے ہوئے ستارے کے مانند وہ حجرے کے آرام دہ فرش پر پشت کے بل گرا۔ فرشی نشست چاہے کتنی بھی آرام دہ سہی لیکن لات میں جو غصہ تھا اس نے شاہ جی کو ذبح کیے ہوئے جانور کے مانند ڈکرانے پر مجبور کردیا۔ قبل اس کے کہ شاہ جی کی اذیت میں ڈوبی ہوئی آواز میری سماعت تک رسائی حاصل کرتی، میں اور خوشی محمد بھترا مار کر حجرے کے اندر داخل ہوچکے تھے۔

اندر کا منظر بڑا عبرت ناک بلکہ شرم ناک تھا۔ چراغ کی مدھم روشنی میں، میں نے شاہ جی کو برہنہ دیکھا۔ حجرے کے ایک کونے میں، زرینہ بھی لباسِ بشری میں نیم بے ہوش پڑی تھی۔ میں نے شاہ جی کو اس کے شیطانی مقصد میں کامیاب ہونے سے پہلے ہی چھاپ لیا تھا۔

''خوشی محمد!'' میں نے کانسٹیبل کی طرف دیکھتے ہوئے گمبھیر انداز میں کہا۔ ''اس بی بی پر کوئی کپڑا وغیرہ ڈال دو۔''

خوشی محمد تیزی سے زرینہ کی سمت بڑھ گیا۔

اس دوران میں شاہ جی اٹھ کر کھڑا ہوگیا تھا۔ میں نے اس کے گال پر ایک زنانے دار طمانچہ رسید کرتے ہوئے کہا۔ ''چلو......جلدی سے کپڑے پہنو۔ تم سے باقی باتیں ادھر تھانے میں ہوں گی۔''

جب شاہ جی نے دیکھا کہ بازی پلٹ چکی ہے اور میں نے اسے اس کے کالے کرتوتوں کے ثبوت کے ساتھ

چھاپ لیا ہے تو اس کی رگِ پیریت پھڑک اٹھی۔

''صفدر حیات!'' وہ پھنکار سے مشابہ آواز میں مجھے مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ ''تم یہ اچھا نہیں کر رہے ہو۔''

''اچھے برے کا فیصلہ ادھر تھانے کے ٹرائل روم میں ہوگا۔'' میں نے بھی دھمکی آمیز انداز میں کہا۔ ''اگر تم نے پانچ منٹ کے اندر لباس نہیں پہنا تو میں تمہیں اسی حالت میں گرفتار کرکے اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔''

''میں اگر چاہوں تو ابھی ایک پھونک مار کر تمہیں جلا کر بھسم کردوں......''

''اوئے......کسی ناپاک جانور کی اولاد!'' میں نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی اس کی کمر پر ایک زوردار لات رسید کرتے ہوئے کہا۔ ''تیری اور تیری پھونک کی تو ایسی کی تیسی۔'' پھر میں نے کانسٹیبل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''اس کو ایسے ہی لے چلو۔ جب یہ خود ہی اپنا مذاق بنانا چاہتا ہے تو کوئی کیا کرسکتا ہے۔''

میرے اٹل انداز نے شاہ جی کو جلد از جلد کپڑے پہننے پر مجبور کردیا۔ اس اٹھک بیٹھک میں زرینہ بیدار ہوگئی تھی۔ جب صورتِ حال اس کی سمجھ میں آئی تو میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''زرینہ! میں اس شیطان شاہ جی کو لے کر باہر جا رہا ہوں۔ تم جلدی سے لباس پہن کر باہر آجاؤ۔ میں آستانے کے گیٹ پر تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔''

شاہ جی نے ادھر لباس پہنا، ادھر اسے الٹی ہتھکڑی پہنا دی گئی۔ پھر ہم اسے کھینچتے ہوئے آستانے کے وسیع وعریض صحن میں لے آئے۔ وہاں موجود کانسٹیبل نے شاہ جی کے مجاور کو زدوکوب کرنے کے بعد ہتھکڑی لگادی تھی۔ میں نے گیٹ کی سمت نگاہ اٹھائی تو وہاں مجھے وہ دونوں کانسٹیبل نظر آئے جنہیں ہم تانگے میں چھوڑ آئے تھے۔ وہ ہماری خیر خبر لینے ادھر آگئے تھے۔

جب زرینہ لباس پہن کر باہر آئی تو میں اسے ایک طرف لے گیا اور نہایت ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''زرینہ! تم میری بیٹی کی طرح ہو، میری بات توجہ سے سنو۔ یہ شاہ جی ایک ڈبا پیر اور ڈھونگی شخص ہے۔ میں کافی دنوں سے اس کے پیچھے لگا ہوا تھا، تم نے میرا کام آسان کردیا......'' آخری جملے میں نے موقع محل کی ضرورت کے تحت شامل کردیے تھے۔

وہ سوالیہ نظر سے مجھے تکنے لگی۔ میں نے کہا۔

''یہ ہوس پرست غلیظ شاہ جی تمہاری عزت سے کھیلنے کا منصوبہ بنائے بیٹھا تھا۔ مخصوص عمل کے نام پر یہ نشے والے شربت پلا پلا کر تمہارے دماغ کو کمزور بنا رہا تھا۔ آج یہ تمہاری عزت خراب کرنے والا تھا۔ یہ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ میری بروقت مداخلت نے شاہ جی کے شیطانی منصوبے کا ستیاناس کردیا۔ اگر تم ایک بار اس کی ہوس کا نشانہ بن جاتیں تو پھر یہ ساری زندگی تمہاری جان نہ چھوڑتا۔''

''تھانے دار صاحب! آپ کی باتیں میری سمجھ میں آرہی ہیں۔'' وہ بے حد لرزیدہ، خوف زدہ آواز میں بولی۔ ''بتائیں، اب میں کیا کروں؟''

''تم یہاں سے سیدھی اپنے گھر جاؤ اور ہر بات کو بھلا کر سکون سے سونے کی کوشش کرو۔'' میں نے تسلی بھرے لہجے میں کہا۔ ''میں کل کسی وقت آکر تم سے بھرپور ملاقات کروں گا۔ مجھے شک ہے کہ مشتاق کی گمشدگی میں بھی اسی مردود شاہ جی کا ہاتھ ہے۔''

اس نے اثبات میں گردن ہلائی اور خاموشی سے اپنے گھر کی جانب روانہ ہوگئی۔ ہم نے آستانے کے گیٹ پر تالا ڈالا اور شاہ جی مع مجاور کو لے کر تھانے آگئے۔ جب ہم تھانے پہنچے، رات کے دس بج رہے تھے۔

کسی بھی تھانے کا ٹرائل روم بڑی عجیب وغریب جگہ ہوتی ہے جہاں پتھر بھی بولنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ جب میں نے شاہ جی اور اس کے مجاور کو الٹا لٹکا کر تفتیش کا آغاز کیا تو آدھے گھنٹے سے پہلے ہی ان کی زبان کھل گئی۔

شاہ جی کو تو میں نے رنگے ہاتھوں پکڑا تھا۔ وہ اپنے کسی جرم سے انکار کر ہی نہیں سکتا تھا۔ یہ ساری تفتیش میں گمشدہ مشتاق کی بازیابی کے لیے کر رہا تھا۔ میرا شک درست نکلا۔ شاہ جی نے مشتاق کے قتل کا اقبال کرلیا۔ یہ کام اس نے اپنے خدمات گار مجاور سے کرایا تھا۔ مشتاق کی لاش کو نہر کے کنارے نرم زمین میں دبا دیا گیا تھا۔

شاہ جی، زرینہ کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانا چاہتا تھا اور مشتاق اس سلسلے میں اس کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ تھا۔ شاہ جی نے اپنے مذموم عزائم میں کامیاب ہونے کے لیے راستے کی رکاوٹ کو ہٹا ڈالا تھا۔

انسان بعض اوقات بہت غلط فہم ہوجاتا ہے۔ اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتا کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے، یہ سب کہیں ریکارڈ بھی ہو رہا ہے۔ پھر ایک روز یہی غلط فہمی اسے لے ڈوبتی ہے۔ شاہ جی کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا تھا۔

(تحریر: حسام بٹ)